یادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

جلد نمبر ۶۳

شمارہ نمبر ۴

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

اپریل ۲۰۱۹ء

April 2019

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی
عائشہ حسنی
جعفر مسعود حسنی
محمود حسن حسنی

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان :	۳۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۴۰ امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۳۰ روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم 6
- دین وشریعت پر ثابت قدمی .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا .... پروفیسر محسن عثمانی ندوی 12
- اسلام کی باکمال خواتین .... مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی 17
- ایک ادیب باکمال ومربی بے مثال .... مولانا شہاب الدین ندوی 19
- قرآن مجید سے دوری کے اسباب .... نور بنت مصطفیٰ 21
- مردہ بھائی کا گوشت .... مولانا مزمل حسین کاپڑیا 23
- جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں .... قدسیہ صباحت 28
- کیا ہم اسوۂ حسنہ پر عمل کررہے ہیں؟ .... ابوعبدالقدوس محمد یحییٰ 30
- حصول اقتدار اور خوشی کے بعد؟ .... ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی 33
- سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی 36
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ 37
- آخری صفحہ .... مولانا قمرالزماں ندوی 41-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

اس شمارہ کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچتے پہنچتے رجب کا مہینہ ختم ہورہا ہوگا، اور شعبان المعظم کا مہینہ آرہا ہوگا۔ اس کے بعد رمضان المبارک کا برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہم کو انشاء اللہ نصیب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ سے رمضان المبارک کی تیاریاں شروع فرماتے تھے اور شعبان میں روزوں کی کثرت فرماتے تھے اور یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا کیونکہ صحابہ کرامؓ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی وجہ سے جو بلند مقام صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوا وہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے۔ اس لئے یہ جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت باعث نجات ہے اور صحابہؓ کی تنقید کرنا یا بغض رکھنا باعث تباہی و بربادی ہے اور دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔

ہم کو اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہؓ کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

ہم کو اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور سیرت نبوی اور اس کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہئے اس سے ہمارے دلوں کا زنگ دور ہوگا اور ایمان کی باد بہاری ہم کو نصیب ہوگی، جو دنیا میں ہم کو کامیابی عطا کرے گی اور آخرت میں ہم سرخرو ہوں گے۔

حدیث کی روشنی میں

شکر کی فضیلت

امۃ اللہ تسنیم

حضرت جبرئیلؑ کا شکر

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں مجھ کو دو بھرے ہوئے پیالے دیئے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ میں نے دونوں پر نظر ڈالی، پھر دودھ لے لیا، جبرئیلؑ نے کہا سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت کی، اگر آپ شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (مسلم)

بغیر الحمد للہ کے کام ادھورا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اہم کام کے شروع میں الحمد للہ نہ کہے گا تو کام ادھورا رہ جائے گا۔ (ابوداؤد)

بیت الحمد

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کسی بندہ کے لڑکے کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے فرزند کی روح قبض کر لی فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے لختِ جگر کی روح قبض کر لی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت میرے بندہ نے کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے تیری تعریف کی اور "انا للہ و انا الیہ راجعون" کہا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی)

کھانے پینے پر اللہ کا شکر

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، پانی پیتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ (مسلم)

ایک بار درود کے بدلے میں دس رحمتیں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ (مسلم)

درود کی کثرت آنحضرتؐ کے قرب کا ذریعہ ہے

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں وہ لوگ مجھ سے زیادہ قریب ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجیں گے۔ (ترمذی)

جمعہ کے دن درود کی کثرت

حضرت اوسؓ بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن سب دنوں سے زیادہ افضل ہے تو جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ تمہارا بھیجا ہوا درود مجھ کو پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش ہوگا آپ کا جسم مبارک تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کئے ہیں۔ (ابوداؤد)

نام سن کر درود نہ بھیجنے والے کے لئے وعید

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک آلود ہو جس کے سامنے

میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو وہ مجھ کو پہنچ جائیں گے چاہے تم کہیں بھی ہو۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر پلٹاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ نہ اس نے اللہ کی تعریف کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جلدی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور اس سے فرمایا یا کسی اور سے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو پہلے اللہ کی تعریف کرو پھر مجھ پر درود بھیجو، پھر جو چاہو دعا کرو۔ (ابوداؤد)

درود کے افضل الفاظ

حضرت ابومحمد کعبؓ بن عُجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے ہم نے عرض کیا۔ سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو گیا اب یہ ارشاد فرمایئے کہ درود کیسے بھیجیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(بخاری۔ مسلم)

حضرت مسعود بدریؓ سے روایت ہے کہ ہم سعدؓ بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے بشیرؓ بن سعد نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے ہم کو درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے تو ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا اے کاش انہوں نے (یعنی بشیر نے) ایسا سوال نہ کیا ہوتا تو اچھا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(بخاری۔ مسلم)

همه وقت ذکر الٰهی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت (یعنی ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے تھے خواہ بے وضو ہوں یا باوضو یا جنبی ہوتے، مگر حالت جنب میں قرآن نہ پڑھتے تھے اور ذکر پاخانہ اور غسل میں نہ کرتے تھے) اللہ کو یاد کرتے تھے۔ (مسلم)

صحبت کے وقت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ کلمات کہے۔ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

ترجمہ: (اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور ہماری اولاد کو بھی شیطان سے حفاظت فرما) تو جو لڑکا یا لڑکی ہوگی۔ اس کو شیطان نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔

(بخاری۔ مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دین وشریعت پر ثابت قدمی

اس وقت کئی مسائل اُمت اور بالخصوص علماء اُمت کے سامنے ہیں، ان میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم مفتوح ہوتی ہے تو زمینی اور عسکری شکست آہستہ آہستہ اس کو ذہنی شکست تک پہنچا دیتی ہے، اس کا اثر شکست خوردہ حکمرانوں پر تو زیادہ ہوتا ہے، لیکن قوم کے اہل علم پر بھی کچھ کم نہیں ہوتا، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغرب نے ایک ایسا عالمی نظام قائم کیا ہے، جس کے ذریعہ ملک وزمین پر قبضہ کرنے کے بجائے حکمرانوں پر اور ملک کے معاشی وسائل پر قبضہ کرلیا جائے، معاشی وسائل سے معاشی فوائد اُٹھائے جائیں، جیسا کہ مسلم ملکوں کی موجودہ صورت حال ہے، مغربی ممالک نے ان کے بیش قیمت قدرتی وسائل کو اپنے ہاتھوں میں کرلیا ہے، انہیں اس کی قیمت کا بہت معمولی حصہ ادا کیا جاتا ہے اور وہ مجبور ہیں کہ اپنے وسائل کا غالب ترین حصہ ان ہی ملکوں کے بینکوں میں رکھیں، انہیں عطیات دیں اور ان سے ایسے ہتھیار خریدیں، جس سے بیچنے والے کی معیشت کو تقویت پہنچے اور جن کی خریدنے والوں کو کوئی ضرورت نہیں ہو، اس کی وجہ سے مسلم ممالک بیش قیمت قدرتی وسائل کے باوجود معاشی اور تعلیمی اعتبار سے جس پسماندگی کا شکار ہیں، وہ محتاج اظہار نہیں ہے۔

حکمرانوں پر قبضہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغرب زدہ لوگوں کو تختِ اقتدار پر بٹھادیا جاتا ہے، جو خود اپنے عوام کے درمیان مقبول نہیں ہوتے، ان سے ایسے کام کرائے جاتے ہیں کہ ان کے عوام ان سے اور دُور ہوجائیں، پڑوسیوں کے ساتھ ان کے جھگڑے کھڑے کردیئے جاتے ہیں اور انہیں سازش سے دوچار کرتے ہوئے برادر مسلم ملک سے لڑا دیا جاتا ہے، نیز انہیں احساس دلایا جاتا ہے کہ ان کا اقتدار مغربی فوجوں کی مدد پر قائم ہے، اگر انہوں نے مغرب کے کسی حکم سے سرتابی کی تو نہ صرف وہ اقتدار سے محروم ہوجائیں گے، بلکہ ایسی عبرتناک سزا سے دوچار کئے جائیں گے، جس کی مثال ان کے گرد وپیش موجود ہے، اس تسلط کو اسلام کی مخالفت اور مغرب کے تہذیبی غلبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو قوانین شریعت کے مطابق ہیں، انہیں غیر انسانی قرار دے کر تبدیل کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان سے ایسے قوانین نافذ کرائے جاتے ہیں جو مغرب کی سوچ اور ان کے طرز عمل سے ہم آہنگ ہیں۔

اب اس کے بعد علماء کی باری آتی ہے! چونکہ عام مسلمانوں کے دل میں قرآن وحدیث کی عظمت دین وشریعت کی وقعت اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، اور بہت سی عملی کوتاہیوں کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت آج بھی اپنے دین سے والہانہ تعلق رکھتی ہے، اس لئے حکمرانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس مغرب نوازی کا کوئی شرعی جواز حاصل کرلیا جائے، پھر علماء کے گروہ کو تیار کیا جاتا ہے کہ حکومت جو کچھ چاہتی ہے، وہ اس کے لئے کوئی بنیاد تلاش کریں، خواہ اس کے لئے قرآن وحدیث کی دور ازکار تاویل کی نوبت آجائے اور فقہاء کے اقوال تلاش کئے جائیں، خواہ یہ کیسا ہی شاذ، نامقبول اور معتبر اہل علم کے نزدیک ناقابل اعتنا، قول ہو، یہ بات صرف مسلم ملکوں کے زیر اثر نہیں ہوتی، بلکہ مسلم اقلیت ممالک میں بھی ہوتی ہے کہ شریعت کی جن باتوں پر معاندین کی طرف سے انگلی اٹھائی جائے، اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کیا جائے اور جو باتیں غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم سماج کے نزدیک درست ہیں، ان کے لئے گنجائش پیدا کی جائے، یہ بہت ہی خطرناک بات ہے اور دین میں انحراف کا راستہ ہے، یہ وہی راستہ ہے جسے عیسائیوں نے رومیوں کے درمیان عیسائیت کو مقبول بنانے کے لئے استعمال کیا

تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس عقیدۂ توحید کی دعوت دی تھی، اس کو چھوڑ کر رومیوں کے ہاں موجود سابق عقیدۂ تثلیث کی جگہ ایک نئی تثلیث کا تصور پیش کیا گیا، جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کو تخت خدائی پر بٹھا دیا گیا اور یہ تثلیث کچھ اس طرح عیسائیت کا حصہ بن گئی کہ آج تک عیسائی دنیا تحریف سے پاک حقیقی عیسائیت کی طرف واپس نہ آ سکی، بلکہ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائی تاریخ کے اس حادثے سے پردہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج بھی دنیا اس سے بے خبر ہوتی۔

مسلمانوں کا عہد بھی ایسے واقعات سے خالی نہیں رہا، بلکہ یہاں تک ہوا کہ بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے حدیثیں گھڑی جانے لگیں، غیاث بن ابراہیم عباسی خلیفہ مہدی کے دربار میں آیا اور اس کو کبوتر بازی میں مشغول دیکھا تو بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اپنی طرف سے ''او جناح'' (کبوتر بازی) کا اضافہ کرتے ہوئے روایت نقل کر دی۔ "**لا سبق الا فی نصل او خف او حافر او جناح**" (**نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر:224**) تاکہ بادشاہ کی کبوتر بازی کا جواز پیدا ہو جائے، اسی طرح بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے مناقب و مثالب پر مشتمل روایتیں وضع کی گئیں۔

اموی اور عباسی دور میں بادشاہوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ جس سفاکیت اور درندگی کا ثبوت دیا اور من چاہے احکام جاری کیے، درباری علماء ان پر مہر تصدیق ثبت کرتے رہے، یزید بن عبدالملک کو چالیس شیوخ نے آ کر فتویٰ دیا کہ خلیفہ جو مرضی ہو، کرے، خلفاء سے اللہ کے یہاں کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۳/۱۸۰) ہندوستان میں جب اکبر کا دور آیا تو علماء کی طمع و حرص نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا جس کا ایک اقتباس اس طرح تھا:

''خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان الاسلام کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی، خدا اس کی حکومت ہمیشہ قائم رکھے، سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں، اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ اتفاقی سمجھا جائے گا۔ (منتخب التواریخ: ۲/۲۷۱، ترجمہ: حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی)

شیخ مبارک کے بارے میں خواجہ باقی اللہ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ وہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں کٹر سنی، سوریوں کے دورِ حکومت میں مہدوی، ہمایوں کے زمانہ میں نقشبندی اور اکبر کے عہد سلطنت میں صلح کل کا علمبردار بن کر مشرب اباحت پر گامزن ہوا، ہر دور میں اس کا وہی مسلک اور مذہب ہوتا تھا، جس پر اس عہد کے حکمراں اور امراء گامزن ہوئے تھے۔ (دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ۹۴)

شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل و فیضی بڑی علمی لیاقت کے مالک اور کئی زبانوں سے واقف تھے، جس کا اندازہ قرآن مجید کے غیر منقوط ترجمہ سے لگایا جا سکتا ہے، ابوالفضل نے مہابھارت کا فارسی ترجمہ کیا اور اس کے مقدمہ میں اکبر کی تعریف و توصیف میں مبالغہ کی انتہا کر دی، اسی دور میں مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری نے حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ دے دیا اور جب ان کے آبائی قبرستان کو کھولا گیا تو تین کروڑ مالیت کا سونا برآمد ہوا، صدر الصدور عبدالنبی زکوٰۃ میں خود بھی حیلہ پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا فتویٰ دیتے تھے۔ (دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ۵۱) بعض صوفیاء نے وحدۃ الوجود کے عنوان سے بادشاہ کو مظہر الٰہی قرار دے کر بادشاہ کو سجدہ کرنا جائز ٹھہرایا، علامہ بدایونی مفتیوں اور قاضیوں کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں: نوروز کے جشن کی محفلوں میں علماء و صلحاء بلکہ قاضی اور مفتی بھی شراب نوشی کرتے، اور بددین بادشاہ علماء سو کی اس کیفیت کو دیکھ کر بڑے ناز سے یہ شعر پڑھتا تھا:

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

(منتخب التواریخ: ۲۰۹)

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: **افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر أو أمير جائر.** (ابوداؤد، عن ابی سعید الخدریؓ، کتاب الملاحم، حدیث نمبر: ۴۳۴۴)

بہترین جہاد ظالم سلطان یا امیر کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

علامہ خطابی نے ظالموں کے سامنے حق کی ترجمانی کی افضل الجہاد قرار دینے کی حکمت پر بڑا اچھا نکتہ لکھا تھا:

انما صار ذلك افضل الجهاد، لان من جاهد العدو كان متردداً بين رجاء و خوف، لا يدرى هل يغلب أو يغلب؟ و صاحب السلطان مقهور فى يده فهو اذا قال الحق، و امره بالمعروف، فقد تعرض للتلف، فصار ذلك افضل انواع الجهاد من اجل غلبة الخوف. (معالم السنن: ۴/۳۵۰)

یہ اس لئے افضل جہاد ہے کہ جو دشمن سے جہاد کرتا ہے، وہ امید اور خوف کے درمیان ہوتا ہے، اس کو نہیں معلوم کہ وہ غالب رہے گا یا مغلوب؟ اور جس کا سامنا سلطان سے ہوتا ہے، وہ بادشاہ کے ہاتھ میں قہر کا شکار ہوتا ہے، اگر اس نے حق بات کہی اور اس کو نیکی کی دعوت دی تو اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے پیش کردیا، لہٰذا یہ خوف کے غلبہ کی وجہ سے افضل ترین جہاد ہے۔

''کلمہ حق'' کا لفظ عام ہے اور اس میں مظلوم کی نصرت کے ساتھ ساتھ دین حق اور شریعت کی نصرت بھی شامل ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء کو پسند نہیں فرمایا جو دربار شاہی کا چکر لگاتے رہتے ہوں، کیونکہ جو لوگ حکمرانوں کے یہاں آمد و رفت رکھتے ہیں وہ فتنہ سے محفوظ نہیں رہتے: "**ومن أتى ابواب السلطان افتتن**". (ترمذی: ۴/۱۰۶، حدیث نمبر: ۲۲۵۶)

فتنہ کا شکار ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کا مداہنت سے بچنا دشوار ہوتا ہے، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے: "**فمن دخل عليهم فصدقهم بكذبهم و أعانهم على ظلمهم فليس منى و لست منه و ليس بوارد على الحوض، و من لم يدخل عليهم و لم يعنهم على ظلمهم ولم يصدقهم بكذبهم فهو منى و أنا منه، و هو وارد على الحوض**". (رواہ النسائی: ۷/۴۲۰۷-۴۲۰۸، ترمذی: ۲۲۵۹، مسند احمد: ۱۸۱۲۶)

اسی لئے اگرچہ ایسے علماء ربانیین بھی اُمت میں رہے ہیں، جنہوں نے حکومت کے قرب کو حکمرانوں کی اصلاح اور شریعت کی حفاظت وتنفیذ کے لئے استعمال کیا، جیسے امام ابویوسفؒ۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی، اکثریت ان لوگوں کی تھی، جو حکومت وقت سے مطعون رہے اور انہیں آزمائشوں سے گذرنا پڑا، یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں، جنہیں ایک دو نہیں، سو کوڑے لگائے گئے، قید کی سزا برداشت کرنی پڑی اور قیدخانے ہی میں ان کی وفات ہوئی: "**فضرب مائة سوط و حبس، و مات فى السجن**". (مناقب الامام ابوحنیفہ و صاحبیہ: ۱/۲۷، المؤلف شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی، المتوفی: ۷۴۸ھ)

یہ امام مالکؒ ہیں جنہیں جعفر بن سلیمان نے اَسّی کوڑے لگوائے، صرف اس لئے کہ وہ حالت اکراہ کی بیعت کو نامعتبر قرار دیتے تھے اور ایک موقع پر ان کے ہاتھ اس طرح کھنچوائے کہ بازو مونڈوں سے الگ ہوگیا، (ترغیب المدارک: ۲/۱۳۳) یہ امام شافعی ہیں قریب تھا کہ عباسی خلیفہ ہارون رشید ان کو قتل کرادیتا، لیکن امام محمدؒ کی سفارش نے ان کی جان بچائی، (**الانتقاء فى فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء مالك و الشافعى و أبى حنيفة**: ۱/۹۶) یہ امام احمد بن حنبلؒ ہیں جن کو ایسی ابتلاء وآزمائش سے گذرنا پڑا کہ اسلام کی تاریخ میں شاید ہی کسی عالم کو دین پر استقامت کی ایسی سزا ملی ہو۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۲۵۵)

اور یہ امام محمد بن حسن ہیں جنہوں نے ایک مظلوم کی حمایت میں فتویٰ دیا اور حسن بن زیاد نے ان کے فتوے کی تائید کی: لیکن قاضی وہب ابن وہب نے خوشامد میں اس مظلوم کے خلاف فتویٰ دیا، جس کو بادشاہ قتل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ ہارون نے اپنے سامنے پڑی ہوئی دوات اُٹھا کر اس زور سے امام محمد کے چہرے پر ماری کہ آپ کا

چہرہ زخمی ہوگیا، امام محمد باہر نکل آئے اور دیر تک روتے رہے، جب پوچھا گیا کہ ایک زخم پر جو اللہ کے راستے میں لگا ہے، آپ اس قدر روتے ہیں، تو امام محمدؒ نے فرمایا: نہیں، اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے مخالف فتویٰ دینے والے سے پوچھنا چاہئے تھا کہ تم نے یہ فتویٰ کس بنیاد پر دیا؟ اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے اس کے خلاف حجت قائم کرنی چاہئے تھی، چاہے میں قتل کر دیا جاتا۔ (اخبار أبي حنيفة واصحابه: ۱۲۶)

علامہ ابن تیمیہؒ بھی ایسی ہی آزمائش سے گذرے، علامہ سرخسیؒ نے اوزجند کے قیدخانے میں ایک مدت گذاری اور وہیں پندرہ جلدوں میں المبسوط جیسی فقہی انسائیکلوپیڈیا مرتب فرمائی۔ (الجواهر المضية في طبقات الحنفية: ۲/ ۲۸) اور بعض اہل علم کے قول کے مطابق اندھے کنویں میں قید کردیئے گئے، وہ وہیں سے کتاب املا کراتے تھے اور ان کے تلامذہ کنویں کے منڈھیر پر اسے تحریر کرتے تھے۔ (تاج التراجم لابن قطوبغا: ۲۳۵)

امام سعید بن جبیرؒ کو حجاج ابن یوسف نے جانور کی طرح ذبح کرادیا؛ لیکن ان کے لہجہ میں کہیں باطل کے سامنے سرنگوں ہونے کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوسکا۔ (وفیات الاعیان: ۲/ ۳۷۳) امام سعید بن مسیبؒ کو عبدالملک بن مروان نے سرد موسم میں پانی ڈلوا کر پٹوایا اور ایک اور موقعہ پر پچاس کوڑے لگا کر سربازار تشہیر کرائی، (وفیات الاعیان: ۲/ ۳۷۶) عمیر بن ہبیرہ یزید بن عبدالملک کی طرف سے عراق و خراسان کا والی بنایا گیا اور اس نے حضرت حسن بصریؒ سے ایک سوال کیا، جس کا مقصد ان کو پھنسانا تھا، حسن بصری نے فرمایا:

''اے ابن ہبیرہ! یزید کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اللہ کے معاملہ میں یزید کا خوف مت کرو، اللہ تعالیٰ تجھ سے یزید کے شر کو دفع کرسکتا ہے، مگر یزید اس احکم الحاکمین کے قہر کو نہیں روک سکتا۔ (وفیات الاعیان: ۲/ ۱۷)

والی مصر ابن سہیل امام یزید بن حبیب تابعی کی عیادت کو آیا اور دریافت کیا کہ جس کپڑے کو مچھر کا خون لگا ہو، اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام نے غصہ سے کہا کہ تو روزانہ اللہ کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مچھر کے خون کے بارے میں مسئلہ پوچھتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۳۰) امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام اعمش کوفی، عبداللہ ابن طاؤس وغیرہ کتنے ہی علماء و فقہاء ہیں کہ حق گوئی اور بے باکی نے ان کی جان جوکھم میں ڈال دی اور وہ بادشاہوں کے ہاتھ سے قتل ہوتے ہوتے بچے۔

غرض کہ سلف صالحین اور علماء ربانیین کی پوری تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے جو ہمیں استقامت اور ثابت قدمی کی راہ دکھاتی ہے، افسوس کہ سائنسی اور صنعتی ترقی کے اس دور میں بھی بیشتر مسلم ممالک میں جمہوریت و شورائیت کے فقدان اور آمرانہ نظام کے غلبہ کی وجہ سے صورت حال میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں آئی ہے، ان کے یہاں سیاسی قیدیوں کی تعداد دنیا بھر میں شاید سب سے زیادہ ہے اور ان قیدیوں میں بڑی تعداد علماء کی ہے، اسی لئے وہاں کے اہل علم کی ایک اچھی خاصی تعداد مغربی ملکوں میں پناہ لئے ہوئے ہے، کیونکہ مسلمان ملکوں کے مقابلہ انہیں وہاں زیادہ امن، انصاف اور آزادی میسر ہے، مسلمان اقلیتیں بشمول مسلمانانِ ہند چونکہ جمہوریت کے زیر سایہ زندگی گزار رہے ہیں، اس لئے اس طرح کے مسائل انہیں کم درپیش ہیں، لیکن ان کی آزمائش زیادہ تر تعذیب کے بجائے تحریص سے کی جاتی ہے طمع دے کر ایسی باتیں کہلوانے کی کوشش کی جاتی ہے، جو اسلام کے موقف اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہیں، انہیں لوہے کی زنجیر کے بجائے سونے کی زنجیر سے مطیع و برمانبردار بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ہندوستان میں بھی مسلمان اس وقت اسی صورت حال سے گذر رہے ہیں اور اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ کچھ نام نہاد علماء سے وہ باتیں کہوائی جائیں، جو فاشسٹ طاقتیں چاہتی ہیں اور ان کو میڈیا کے ذریعہ اس طرح نمایاں کیا جائے کہ گویا مسلمانوں کے اصل ترجمان یہی ہیں، یہ ایک بہت ہی خطرناک صورت حال ہے، اللہ کا شکر ہے سلف صالحین کی طرح آج سرکٹانے کی آزمائش درپیش نہیں ہے، لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ کفر کے سامنے سرجھکانے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

○○○

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسلامی تاریخ میں علماء کی کمی نہیں رہی بیسویں صدی میں بھی آسمان کے روشن ستاروں کی طرح علماء بے شمار ہوئے اوران سے یہ زمیں روشن کہکشاں بن گئی۔کوئی عالم دین روحانیت اور ربانیت میں آفتاب و ماہتاب تھا،کوئی عالم دین تفسیری خدمات میں یاحدیث میں یگانہ تھا،کسی نے فقہ کے میدان میں بیش بہاخدمات انجام دی تھی،کسی نے تنہا سیرت نبویؐ کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا مرتب کرڈالی تھی،کسی نے اسلامی تاریخ لکھنے کاعظیم کارنامہ انجام دیا تھا،کسی نے اسلامی علوم کی کوئی شاخ اپنے لئے منتخب کی اوراسے شاداب اور بہارآشنا کیا،کسی نے جدیدعلم کلام کواپنا موضوع بنایا اور اسلام پراعتراضات کے مدلل اور تشفی بخش جواب دیئے اورمغرب کے سحر سامری کوتوڑ ڈالا،ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے غیر ملکی اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں جان و مال کی قربانیاں دیں۔ایسے علماء بھی سامنے آئے جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کے نظام حیات کو برسرعمل لانے کی کوشش کی، یہ تمام علماء قابل قدراور لائق فخر ہیں اورامت اسلام کوان سب کاشکر گذار ہونا چاہئے۔

مولانا علی میاں کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے علماء کی گوناگوں خصوصیات کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا، ان کی شخصیت عطر مجموعہ کی مانند تھی، قرآن کا مطالعہ ان کا خصوصی میدان تھا،ان کی شخصیت قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی اور سیرت نبویؐ کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی، وہ مفکر بھی تھے مؤرخ بھی تھے، ادیب بھی تھے اور عربی اور اردو کے بلند پایہ مصنف اور نثرنگار بھی تھے، مذہبی قائد بھی تھے، تصوف اور روحانیت میں بڑے مقام کے حامل تھے، اور اسی کے ساتھ ان کا بڑاامتیاز یہ ہے کہ وہ عالم اسلام کے محتسب اور نگراں بھی تھے۔اقبال کی طرح ان کا بھی نظریہ تھا "ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات" مسلم ملکوں میں کوئی کام خلاف اسلام ہوتا، کوئی غلط گمراہ کن نظریہ پھیلایا جاتا مغربی تہذیب کا جھنڈا بلند کیا جاتا،مولانا کی غیرت وحمیت اسے برداشت نہیں کرتی، مولانا اس موضوع پر لکھتے اور تقریریں کرتے، عربوں کو طاقتور انداز میں خطاب کرتے، مولانا کی عربی زبان عام حالات میں گوہر بار ہوتی تھی لیکن جہاں دین کوکوئی نقصان پہنچتا ہو چاہے وہ عرب ملک ہی میں کیوں نہ ہوتو پھران کا قلم شرربار اور تیغ جوہردار بن جاتا تھا۔ترکی کے کمال اتاترک کا ذکر آئے یا مصر کے جمال عبدالناصر کا تذکرہ ہومولانا کے قلم کو آتش بار دیکھا گیا اوران دونوں نے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچایا ہے مولانا اس سے شدید نالاں تھے، مولانا اس وقت اگر بقید حیات ہوتے ان کی غیرت کی زبان اور حمیت کے قلم کی تنقید کے تیروں کا رخ عبدالفتاح سیسی کی طرف ضرور ہوتا جس نے جمال عبدالناصر کے قلم کی یاد تازہ کردی بلکہ اسے بھی پیچھے چھوڑ دیا اور مولانا کے غیض وغضب کا نشانہ وہ عقال پوش اورعبا بدوش اور بادہ نوش اورایمان فروش اور محروم عقل و ہوش خاقان بن خاقان سلطان ابن سلطان محمد بن سلمان جیسے عرب حکمراں بھی ہوتے جوعبدالفتاح سیسی کے خاص مددگار اور اسرائیل کے یار غار رہے تھے۔ان کی شرربار تحریر وتقریر کا نشانہ وہ خلیجی ملک بھی ہوتے جہاں اعلانیہ دین داری اور اسلام پسندی کو جرم اور دہشت گردی قراردیا جارہا ہے، جولوگ حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عرب دنیا میں اس وقت جو کچھ ہورہا ہے اور ظلم ڈھایا جارہا ہے وہ مذہبی ذہن رکھنے والوں کے لئے آشوب قیامت سے کم

نہیں، حرمین کی سرزمین میں تین سینما گھر کھولے جارہے ہیں، مغربی ثقافت کو درآمد کرنے کا انتظام ہورہا ہے اور اس کا نام معتدل اسلام رکھا گیا ہے، بعض عرب ملکوں میں اخبارات کی رپورٹ کے مطابق حفظ قرآن اور مسجدوں میں دینی بات کرنا بھی جرم ہوگیا ہے اوراس کی سزا 5 ہزار درہم مقرر ہے (روزنامہ انقلاب 17 نومبر 2017) ہر جگہ دینی قیادت کو سخت سزا اور عقوبتوں کا سامنا ہے، یہ عصر حاضر کا سانحہ کربلا ہے، آج بھی اہل دین کے لئے وہی آبلہ پائی ہے، وہی دشت نوردی ہے، وہی صحراء ہے اور آج بھی وہی کوئے نفاق، موجود ہے جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے اوپر قصر سلطانی کا گنبد ہے۔ لیکن ہمارے علماء دین کے لب اظہار پر تالے اور زبان قلم پر چھالے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ تنقید کسی خاص شخصیت پر نہیں ہے بلکہ ان تمام چھوٹی اور بڑی دینی قیادتوں پر ہے جو برصغیر میں سرگرم عمل رہتی ہیں اور اتنی خطرناک باتوں کا نوٹس نہیں لیتی ہیں اور جسے "لســانـاً و شفتین" کی نعمت ملی تھی لیکن اس نے ان سے کام نہیں کیا۔

علماء اور اچھے خاصے دین دار لوگوں کا کہنا ہے کہ دینی اداروں کا بڑا نقصان ہوجائے گا اگر ان اداروں کے ذمہ دار عرب حکمرانوں کی ان غلطیوں پر نکتہ چیں ہوں گے۔ ہم یہاں کشکول گدائی رکھنے والے علماء کو اور دینی اداروں کے ذمہ داروں کو مولانا علی میاں کا ایک قول یاد دلانا چاہیں گے، مولانا نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ اس دن سے پہلے ہمیں دنیا سے اٹھالے جس دن ہم ان خلیجی بادشاہوں اور حکمرانوں کو اپنا رزاق سمجھنے لگیں گے۔'' اب مولانا کی غیرت اور حمیت کا کوئی ہندوستان میں وارث نہیں رہ گیا ہے اور نہ کوئی ان کے استغناء اور توکل کا نمونہ پیش کرنے والا ہے۔ اور نہ کوئی عرب دنیا میں پیدا ہونے والے ''الفتنۃ الکبریٰ'' پر نکیر کرنے والا باقی رہا ہے البتہ اسی خاندان کا ایک فرد ہے۔'' ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ'' جس نے حق گوئی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ ایک ٹوٹی ہوئی مینا ہے جو ساقی کو رو رہی ہے، ایک بلبل ہے جو خزاں کے منظر پر نوحہ کناں ہے۔

ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینہ میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

مولانا علی میاں کی شخصیت ہمہ جہت اور ہمہ پہلو تھی، وہ ہشت پہل ہیرے کے مانند تھے۔ مولانا نے مصلحین امت اور صوفیاء کرام کا تذکرہ لکھا ہے، اس اعتبار سے وہ مورخ تھے، وہ مدارس میں اصلاح نصاب اور مسلم ملکوں میں اصلاح فکر و ذہن کے بڑے وکیل اور ترجمان تھے، اس اعتبار سے وہ مفکر اسلام تھے، اسی کے ساتھ وہ ایک صوفی باصفا اور شیخ طریقت بھی تھے اور روحانیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا اور اس کی گواہی اہل صدق وصفا نے دی ہے۔ ان سب کے ساتھ وہ احیائے اسلام کے بہت بڑے داعی تھے۔ ایسی جامعیت کی شخصیت مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن مولانا کی شخصیت کی امتیازی صفت ان کی غیرت وحمیت ہے۔

مولانا کا عرب وعجم میں احترام تو بہت کیا گیا لیکن اس کے باوجود علماء نے اور دینی مدارس کے ذمہ داروں نے اور دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے ان کو اپنا رول ماڈل نہیں بنایا۔ بڑے بڑے علماء ان کے دست گرفتہ ہوئے، اہل سلوک نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن مولانا کے افکار وخیالات کو انہوں نے جذب نہیں کیا، مولانا کے ذریعہ مقامات سلوک طے کرنے کی فکر لاحق رہی لیکن ملت اسلامیہ کے لئے مولانا کی بصیرت مندی اور دردمندی اور فکر کی ارجمندی اور مزاج کی غیرت مندی اور جرأت مندی کی انہوں نے بالکل اقتدا نہیں کی۔ علماء مولانا کا احترام بہت کرتے تھے لیکن اصلاح نصاب اور اصلاح ذہن وفکر سے متعلق ان کے خیالات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، مولانا کی آواز صدا بہ صحرا رہی۔ ایک دور افتادہ صدا جسے گوش حق نیوش بڑے پیمانہ پر نصیب نہ ہوسکا اور نہ دینی جماعتوں کے بارے میں مولانا کی اعتدال پسندی قابل تقلید ٹھہری۔ وہی عصبیت اور مسلکی شدت مولانا کے بعد بھی باقی رہی۔ پھر اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ مولانا اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایک زاہد مرتاض اور ایک عابد شب زندہ دار شخص تھے، یا وہ ایک ادیب اور مصنف تھے، ان دونوں مزاج کا تقاضا ہوتا ہے انسان اپنے خلوت کدہ سے باہر نہ آئے لیکن ملک کے حالات کا تقاضا تھا کہ برادران وطن کو خطاب کیا جائے، چنانچہ مولانا نے پورے ملک میں پیام انسانیت کی تحریک شروع کردی، یہ بھی

مولانا کے لئے گویا اپنے مزاج وطبیعت کے خلاف ایک جہاد تھا اور یقیناً یہ بھی جہاد تھا کہ نقرس کی تکلیف کے باوجود اور صحت کی خرابی کے باوجود مسلمانوں میں ایمان کی حرارت پیدا کرنے کے لئے مولانا نے آسمان وزمین کے قلابے ملا دیئے اور دشت و دریا سب عبور کر ڈالے اور ملکوں ملکوں کا سفر کیا۔ اپنی تمام معذوریوں کے باوجود مولانا بہت فعال اور متحرک شخصیت کے مالک تھے اور روح جہاد ان کے اندر حلول کر گئی تھی۔ اپنی تمام علمی اور دینی مصروفیات اور عالم اسلام سے گہرے تعلقات کے باوجود مولانا سب سے ملتے تھے، ہر ایک کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے اور اخلاق نبوی سے متصف تھے۔ پورے عالم اسلام کی نگرانی اور نگہبانی کا فریضہ انجام دیتے تھے اور وہاں اہل دین کے ہاتھ میں سیاست کی زمام دیکھنے کی خواہش نے مولانا سے عربی میں کتابیں لکھوائیں، سیاسی لیڈروں سے ملاقاتیں کروائیں، مولانا کی سوز وگداز سے لبریز عربی اور اردو میں تحریریں ہیں جس میں مولانا نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ علماء اور قائدین مہر سکوت توڑیں اور حق گوئی کا فریضہ ادا کریں۔

بیسویں صدی شروع ہوئی تو عالم اسلام مغربی تہذیب کی یلغار کو اسلامی تہذیب کی ڈھال پر روکنے کی کوشش کر رہا تھا، عرب دنیا میں جمال الدین افغانی کے شاگرد شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا تھے اور کچھ دوسرے اصحاب قلم تھے جن کی اسلامیات پر ادب آمیز اور فکر انگیز تحریروں کے دلنشین تیر دل میں ترازو ہو رہے تھے پھر اخوان المسلمون کی تحریک کے مصنفین تھے جنہوں نے قلم کے میدان میں شہسواری اور پختہ کاری کا ثبوت دیا اور مغربی افکار کا کامیاب مقابلہ کیا، مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے میں علامہ اقبال کے کلام کا بہت بڑا ہاتھ ہے، ہندوستان میں شبلی، سید سلیمان ندوی، ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے جنہوں نے بیداری پیدا کی اور اسلام پر نئے سرے سے اعتماد پیدا کیا، اسی کاروان علم وقلم میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے تقریر وتحریر کے ذریعہ تصوف وتزکیہ نفس کو جدید علم کلام سے اور عہد حاضر کے مسائل سے ہم کرنے اور نئی نسل کی شاخوں کو دین اسلام کے شجر سے وابستہ رکھنے کی پوری کوشش کی، مصر میں جب فرعونیت کے احیاء کی کوشش ہوئی اور عرب قومیت کا نعرہ بلند کیا گیا تو مولانا کی تحریریں صور اسرافیل بن گئیں، ان کا قلم تیغ اصیل بن گیا اور ان کی تحریریں برصغیر ہندوستان سے لے کر تمام عرب ملکوں میں پڑھی گئیں کیونکہ مولانا کی عربی نثر اردو سے زیادہ طاقتور تھی پھر مولانا کی کتابوں کی دنیا کی زبانوں میں ترجمے ہوئے، مولانا نے عربی میں طاقتور کتابیں لکھیں، مولانا کی وہ یہ خصوصیت ہے جس میں برصغیر کا کوئی عالم ان کا شریک نہیں اور اسی وجہ سے وہ پورے عالم اسلام کو خطاب کرنے کے لائق ہوئے لیکن حکمرانوں نے مولانا کی بات نہیں مانی۔

اب آخر میں کچھ مرکز اسلام کے بارے میں۔ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ برصغیر کی دو اہم شخصیتیں رہی ہیں۔ عالم اسلام کی دینی قیادت کے لئے آفتاب اور ماہتاب۔ دونوں اسلامی نظام کے علمبردار اور دونوں شخصیتیں اسلامی ملکوں میں ملوکیت اور موروثی نظام کے خلاف تھیں، دونوں کی تحریروں سے حوالہ دیئے جاسکتے ہیں۔ سعودی عرب میں شاہ فیصل کے دور سے کچھ پہلے اور بعد تک خیر کے کام بہت ہو رہے تھے، نہ صرف ملک کے اندر بلکہ عالم اسلام کی ارجمندی اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے اقدامات کئے جارہے تھے، الاخوان المسلمون کی حمایت اور سرپرستی ہو رہی تھی، اس لئے ان دونوں شخصیتوں نے ملوکیت کے نظام کے باوجود سعودی عرب کے ساتھ تعاون کا موقف اختیار کیا جیسا کہ اسلامی تاریخ کے بہت سے نیک اور صالح علماء نے تعاون اور تائید کا موقف اختیار کیا تھا اور حکمت ومصلحت کا بھی تقاضا تھا۔ لیکن افسوس کہ سعودی حکومت نے حالیہ کچھ عرصہ مین "یوٹرن" لے لیا اور اپنی دینی حیثیت کو مجروح کیا ہے۔ وہ مصر میں اخوان کی حکومت کو گرانے کی سازش میں شریک ہوگئی اور عبدالفتاح سیسی کی اربوں ڈالر سے مدد کی، کثیر تعداد میں اپنے یہاں علماء کو زنداں میں ڈال دیا اور شیخ یوسف القرضاوی کو جنہیں پہلے فیصل ایوارڈ سے نوازا تھا انہیں بھی دہشت گرد قرار دے ڈالا۔ اور اب معتدل اسلام کے پردہ میں مغربی تہذیب اور ثقافت کو دراندازہونے کا موقع دیا ہے اور امریکی

صدر کے ہاتھ پر گویا سعودی عرب بیعت ہوگیا ہے۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بقید حیات ہوتے تو ان کے لب اظہار پر اس وقت تالے نہ لگتے اور دونوں زبان وقلم سے اس ناروا اور نازیبا صورت حال پر اپنی تکلیف کا برملا اظہار کرتے لیکن برصغیر کے علماء غالباً حرمین کے تقدس کے خیال سے خادم الحرمین اور ولی عہد پر انگشت نمائی مناسب نہیں سمجھتے ہیں حالانکہ فرمانرواں کی غلطی اتنی سنگین ہے کہ اس پر خاموشی مناسب نہیں ہے۔علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہر سکوت توڑیں اور حق بات کہیں۔

علماء اور صالحین کی خاموشی کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ہر زمانہ میں دین کے بارے میں دو تصور پایا جاتا ہے اقبال نے اپنے شعری انداز میں یہ کہا ہے کہ ایک خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات والا دین ہے دوسرا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل والا دین ہے۔اگر ہم اس کی تشریح کریں تو اس طرح کریں گے، ایک وہ دینی سرگرمیاں ہیں جن سے آخرت کامیاب ہوتی ہے اور یقیناً یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور قرآن اس پر شاہد ہے۔دوسری دینی سرگرمیاں وہ ہوتی ہیں جن میں آخرت کی کامیابی کے ساتھ دنیا میں بھی دین کا اقتدار مطلوب ہوتا ہے اور اس مقصد کے لئے کوشش سامنے آتی ہے۔ یہ تصور سیرت نبویؐ سے ثابت ہے اور خلفاء راشدین کی زندگی سے بھی ثابت ہے اور قرآن میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے:"**واخری تحبونها نصر من اللّٰه و فتح قریب و بشر المومنین**۔" یعنی اور وہ دوسری بات جو تمہیں محبوب ہے، اللہ کی مدد اور فتح قریب، اور اہل ایمان کو بشارت دیجئے۔" بلاشبہ اللہ نے ایمان اور عمل صالح پر تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا ہے۔لیکن جس طرح اللہ نے سب سے رزق کا وعدہ فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود انسان اس کے حصول کی کوشش کا مکلف ہے اس طرح دین کے لئے طاقت اور اقتدار کے حصول کی بھی کوشش کی جانی چاہئے۔ اس لئے ہر دور میں ایسے علماء اور مجددین بھی سامنے آتے رہے ہیں جن کی کوششیں وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کی مصداق ہیں یعنی انہوں نے اجتماعی زندگی اور سیاست و حکومت پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ دونوں گروہ حق پر ہیں لیکن دوسرا گروہ زیادہ بہتر اور برتر ہے۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تعلق یقینی طور پر دوسرے گروہ سے ہے۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں برصغیر اور عالم اسلام کے عرب علماء نے مسلم امت کو بیدار کرنے اور دین کو اقتدار عطا کرنے کی جتنی کوششیں کیں عرب حکمرانوں نے ان سب پر پانی پھیر دیا یہ مصلحین علماء اسلام کے سیاسی اقتصادی نظام کو بروئے کار دیکھنا چاہتے تھے وہ اسلامی نظام خلافت کا احیاء چاہتے تھے،مولانا علی میاں کی بہت سی تحریریں اور خاص طور پر ان کی کتاب "ماذا خسر العالم" اور "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" اس فکر کی آئینہ دار ہیں۔لیکن مسلم ملکوں کے حکمراں استبدادی نظام حکومت کو یا ملوکیت کو اپنے مفادات کے لئے پسند کرتے تھے اور مغربی تہذیب کو اپنے ملکوں میں درآمد کرنا چاہتے تھے یعنی وہ اپنا نظام حکومت تو دقیانوسی رکھنا چاہتے تھے یعنی قیصر و کسریٰ کے نظام حکومت (ملوکیت اور موروثی نظام) کی پیروی۔لیکن تہذیب وہ اختیار کرنا چاہتے تھے جو یورپ اور امریکہ کی تہذیب ہے چنانچہ اقبال سے لے کر حسن البنا اور اخوان کے قائدین تک بے شمار مصلحین اٹھے لیکن سب کی کوششیں رائیگاں ہوگئیں،خوابوں کا شیش محل ٹوٹ گیا،سب کی قربانیوں سے صرف مقتل فروزاں ہوئے، دار و رسن چمک اٹھے اور زمین مصلحین کے خون سے لالہ زار بن گئی،اس وقت خلیجی ملکوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آشوب قیامت سے کم نہیں،25 نومبر کے روزنامہ انقلاب میں خلیج ٹائمز کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ متحدہ امارات میں حفظ قرآن بھی جرم ہوگیا ہے،حکومت کی منظوری کے بغیر قرآن مجید کا حفظ غیر قانونی ہوگا،حکومت کی منظوری کے بغیر مذہبی تقریریں نہیں کی جاسکیں گی، خلاف ورزی کرنے والے پر 5 ہزار درہم کا جرمانہ ہوگا۔افسوس کہ ان حکمرانوں کی وجہ سے دنیا کے سامنے اسلامی نظام حکومت اور سیاست کا جلوہ سامنے نہ آسکا۔کربلا صرف ایک بار نہیں پیش آیا ہر دور میں پیش آتا ہے اور بار بار پیش آتا ہے۔مولانا علی میاں نے اخوان کو قریب سے دیکھا تھا،ان کے بارے میں ان کا کہنا یہ تھا"**لا یبغضهم الا منافق و لا یحبهم الا مؤمن**" یعنی ان سے نفرت کرنے والا صرف منافق ہوسکتا ہے اور

ان سے محبت کرنے والا صرف مؤمن ہوسکتا ہے اور جب سید قطب کو پھانسی دی گئی تھی تو مولانا نے ایک درد بھرا مضمون لکھا تھا جو آج بھی ان کی کتاب ''پرانے چراغ'' میں شامل ہے۔ مولانا نے لکھا تھا: سید قطب کی شخصیت ایسی تھی جو نہ صرف مصر کے لئے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے باعث فخر تھی اگر مولانا کے یہ تبصرے درست تھے تو آج اخوان کو دہشت گرد قرار دینے والے اور سید قطب اور دوسرے علماء کی کتابوں پر پابندی لگانے والے یقینی طور پر منافق ہیں۔ کیا آج مولانا علی میاں کو قائد ماننے والوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ان حکمرانوں کی مذمت کریں جو اخوان کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ ہمارے علماء نے مولانا علی میاں کو اپنا نمونہ اور رول ماڈل نہیں بنایا ہے، مولانا کی روح غمگین اور ان بے حس، بے شعور اور ساکت وصامت علماء سے شکوہ گذار ہے۔

مولانا علی میاں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ گلشن سیرت کے تمام پھولوں سے انہوں نے اپنی شخصیت کو معطر کر رکھا تھا، ان کی شخصیت قرآن کے ساتھ سیرت کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ اس لئے ان سے بڑھ کر صاحب اخلاق اور سیرت نبوی میں ڈوبی ہوئی شخصیت مشکل سے ملے گی، زبان وقلم کی شیرینی میں اور کردار کی حلاوت میں اور دلسوزی میں کوئی عالم دین مشکل سے ان کی برابری کرسکتا ہے۔ پھر ایک پختہ شعور، عالم اسلام کا احتساب اور اسے صحیح ڈگر پر لانے کی کوشش اور اس کے لئے بیتاب رہنا اور ماہی بے آب کے مثل تڑپنا اور پھر قلم کو خون دل کی روشنائی میں ڈبو کر امت مسلمہ کو بیدار کرنے کے لئے مضامین لکھنا اور تقریریں کرنا اور ملکوں کا سفر کرنا اور دشت و دریا عبور کرنا مولانا کا امتیاز خاص ہے لیکن ہمارے علماء کرام نے مولانا علی میاں کو نہیں پہچانا، انہوں نے ان کو صرف صوفی وسالک سمجھ لیا اور سب ان کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوگئے، ان کے احترام پر اور ان سے عقیدت کا تعلق رکھنے پر متفق ہوگئے۔ کسی نے مولانا کے مزاج وکردار کی اقتداء کی کوشش نہیں کی، مولانا کے افکار ونظریات سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور پرانی ڈگر پر قائم رہے۔ اگر انہوں نے اپنے مزاج کو مولانا کے مزاج سے ہم آہنگ کیا ہوتا تو ملک کے اندر دینی مدارس کو عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق استوار کرتے اور ملک سے باہر عالم اسلام کے مسائل کو اپنا مسئلہ سمجھتے وہاں دینی قیادت سے رابطہ رکھتے اور ان کے غم کو اپنا غم سمجھتے وہاں کے علماء کو دار ورسن کی سزا دی جاتی تو تکلیف سے تڑپتے اور اپنا احتجاجی بیان جاری کرتے۔ صاف لگتا ہے کہ مولانا علی میاں اور دیگر علماء کی دنیا الگ ہے مولانا علی میاں علماء کی صف کے ایسے امام ہیں جس کا کوئی مقتدی نہیں، وہ ایسے قائد ہیں جس کی قوم بشمول علماء بے شعور ہے۔ اس وقت مسلم ملکوں میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والی مسلم قیادت کو جبر وتشدد اور قید وبند کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور مرکز اسلام تک سے اس کی تائید وحمایت اور مدد ہورہی ہے لیکن اس ''شہر بے اماں'' کے ہمارے علماء کرام اور تمام صالحین وابرار اور تمام صوفی وسالک اور شیوخ وامام ذکر وفکر صبح گاہی میں مصروف ہیں۔ اس ''شہر بے وفا'' سے کہیں غیرت و حمیت کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔ اس میں مشکل سے دو تین ناموں کا استثناء ملے گا یہ احساس کسی عالم دین کو نہ ہوا کہ جن ملکوں میں غالب ترین اکثریت مسلمانوں کی ہو وہاں صرف نماز اور روزہ کافی نہیں، عبادات پر اور معاشرہ میں نکاح وطلاق کے احکام پر عمل کافی نہیں ہے وہاں کے نظام حکومت کا اسلامی ہونا بھی ضروری ہے۔ ان حکومتوں کا سائنس اور صنعت میں اور ٹکنالوجی میں دنیا کی بڑی طاقتوں کا ہمسر ہونا قرآن کا منصوص حکم ہے: "ترھبون به عدو اللّٰہ و عدوکم" ضرورت اس بات کی تھی کہ اسلام کے نظام حکومت و سیاست کے خدوخال واضح کئے جاتے اور اس آئینہ میں مسلم ملکوں کے نظام کو دیکھا جاتا اور اس کی اصلاح کی فکر کی جاتی اور اس بارے میں بھی دلوں میں اضطراب ہوتا اور خون میں حرارت ہوتی۔ لیکن جب کشکول گدائی ہاتھ میں آتا ہے تو خون سرد ہوجاتا ہے اور غیرت وحمیت ''تیمور کے گھر'' سے بھی نکل جاتی ہے۔ ہمارے علماء کا حال ایک گرفتار زلف ریال سے مشکل سے بلند ہے۔ مولانا علی میاں کے مزاج استغناء اور زہد کی وہ اقتداء نہ کرسکے۔ مولانا کے یوم وفات پر مولانا بہت یاد آتے ہیں۔ گلشن میں ایسا پھول پھر نہیں کھل سکا کوئی بلبل نغمہ سرا نہ ہوسکا۔ اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی۔ OO

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ

ام ہذیل، فقیہ انصاریہ ہیں، ایاس بن معاویہؒ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حفصہ بنت سیرینؒ سے زیادہ عالمہ فاضلہ خاتون نہیں دیکھی، انہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، اس کے بعد ستر سال حیات رہیں۔ ان کے تذکرے میں حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا: حفصہ سے زیادہ فضیلت والی کوئی خاتون نہیں۔

آج ہر عورت گھر سے باہر نکلتی ہے

مہدی بن میمون کہتے ہیں: حفصہ بنت سیرینؒ تیس سال تک اپنے مصلّٰی، یعنی گھر کی مسجد، سے باہر نہیں نکلیں، سوائے کسی (رشتہ دار) سے ملاقات اور قضائے حاجت وضرورت کے، ان کی وفات سن 100ھ کے بعد ہوئی۔

حضرت معاذہ رحمہا اللہ

بنت عبداللہ، سیدہ، عالمہ، ام الصہبا، بصریہ، عابدہ، حضرت صلہ بن اشیم کی اہلیہ ہیں۔

مردوں اور عورتوں کو نصیحت

یہ ساری رات عبادت گزاری، شب بیداری میں گزار دیتیں اور کہتیں کہ مجھے اس آنکھ پر تعجب ہے جو سو جاتی ہے، مجھے پتہ چلا کہ زیادہ سونا ظلمت قبر کا باعث ہوا کرتا ہے۔

شوہر اور بیٹے کی شہادت

جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے شوہر ''صلہ'' اور ان کے بیٹے جنگ میں شہید ہو چکے ہیں تو ان کی تعزیت کے لئے ان کے یہاں عورتیں اکٹھی ہوئیں تو انہوں نے فرمایا: تمہیں مبارک بادی ہو اگر تم مجھے مبارک باد دینے کے لئے آئی ہو اور اگر تمہارا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ہے تو تم یہیں سے لوٹ جاؤ۔

جنت میں اہل کے ساتھ ملاقات کی دعا

اکثر و بیشتر کہا کرتی تھیں: بہ خدا! میری دنیا میں بقا کی خواہش صرف اور صرف اس لئے ہے کہ میں کچھ ایسے وسائل اور ذرائع اختیار کروں جو میرے رب کی قربت کا ذریعہ بن سکیں، مجھے اللہ سے امید ہے کہ اللہ عزوجل مجھے، ابوالشعثاء اور ان کے لڑکے کو یکجا کردے۔ ان کی وفات سن 83ھ میں ہوئی۔

رابعہ عدویہ رحمہا اللہ

حضرت رابعہ بصریہؒ، زاہدہ، عابدہ، خاشعہ، ام عمرو، رابعہ بنت اسماعیل ہیں۔

جو جس چیز کو پسند کرتا ہے اُس کا بکثرت تذکرہ کرتا ہے۔

خالد بن خداش کہتے ہیں: رابعہ بصریہؒ نے سنا کہ صالح مری اس دنیا کا اپنے قصوں میں بکثرت ذکر کرتے ہیں، تو انہیں مخاطب کرکے فرمایا: صالح! جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔

میں نے ان کو دنیا کی محبت میں گرفتار پایا ہے

بشر بن صالح عتکی سے مروی ہے کہ: کچھ لوگوں نے حضرت رابعہؒ سے (اُن کی مجلس میں شرکت کی) اجازت چاہی، اور ان کے ساتھ حضرت سفیان ثوریؒ بھی تھے، ان لوگوں نے ان کے یہاں قیامت کا تذکرہ کیا، پھر کچھ دنیا کا بھی ذکر ہوا، جب یہ جانے لگے تو حضرت رابعہؒ نے اپنی خادمہ سے کہا: یہ بزرگ اور ان کے ساتھی (دوبارہ) آئیں تو تم انہیں میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا، کیونکہ میں نے انہیں دنیا کی محبت میں گرفتار پایا ہے۔

قیام لیل کی ترغیب

عُبیس بن میمون عطارؒ کہتے ہیں کہ

مجھ سے رابعہ عدویہ کی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال نے بیان کیا کہ: رابعہ رات بھر نماز پڑھتیں، طلوع فجر کے وقت تھوڑی دیر سوجاتیں، پھر فجر کے لئے اٹھ جاتیں، وہ (اپنے نفس کو مخاطب کرکے) یہ کہتی تھیں: اے نفس! تو کتنا سوئے گا اور کتنا کھڑا رہے گا! تجھے بعد میں ایسی نیند سونا ہے کہ پھر روز قیامت ہی اٹھنا ہے۔

کھو: غم کتنا کم ہے!

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں: میں حضرت ام سفیان ثوریؒ کے ساتھ حضرت رابعہ عدویہؒ کے یہاں گیا، سفیان کہنے لگے: "**وحزناہ**" ہائے غم! تو حضرت رابعہؒ نے فرمایا: مت کہو، یوں کہو، کتنا کم غم ہے۔ ان کی وفات سن 180ھ میں ہوئی۔

زبیدہ

ان کا نام ست الجبۃ أمۃ العزیز ہے، ان کی کنیت ام جعفر بنت جعفر بن ابوجعفر منصور ہے، یہ امین محمد بن رشید کی ماں ہیں، خلیفہ ہارون الرشید کی اہلیہ محترمہ ہیں، کہتے ہیں کہ عباسیوں نے ان جیسا خلیفہ نہیں جنا۔ یہ نہایت جاہ وحشم والی خاتون تھیں، حج کے سلسلے میں ان کے بے شمار کارنامے ہیں، ان کے جدامجد نے ان کا لقب زبیدہ رکھا، ان کے شاہی محل میں تقریباً سو باندیاں تھیں اور سب کی سب قرآن پاک کی حافظہ تھیں، سن 216ھ میں وفات پائیں۔

نہر زبیدہ کی تاریخ

عباسی دور کے خلیفہ ہارون رشید کی بیوی سیدہ زبیدہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کی چھاتیوں سے رعایا دودھ پی رہی ہے، اس بھیانک خواب کا تذکرہ اس نے اپنے شوہر ہارون رشید سے کیا، ہارون رشید بھی اس خواب سے متفکر ہوا اور علماء سے اس کی تعبیر چاہی تو علماء نے بتلایا کہ یہ مبارک خواب ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ عزوجل تمہاری بیوی سے کوئی اہم خدمت لیں گے، جس سے رعایا کو فائدہ پہنچے گا، چنانچہ ان دنوں مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے لئے پانی کی تکلیف کی اطلاع ملی کہ پانی کی کمی سے حجاج فوت ہورہے ہیں تو اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے زبیدہ نے حج کا ارادہ کیا اور وہاں جائزہ لینے کے بعد اپنے مہر اور خلیفہ کی زرکثیر سے 36 کلومیٹر طویل نہر وادی نعمان طائف روڈ سے 791 عیسوی مطابق 174ھ میں بنوائی، جس سے 1200 سال تک استفادہ کیا جاتا رہا، جب یہ نہر تیار ہوگئی تو محاسب نے حساب پیش کیا تو خلیفۂ وقت نے ان کاغذات کو یہ کہتے ہوئے دریائے دجلہ میں ڈال دیا کہ ہم اس کے حساب کو یوم الحساب پر موقوف رکھتے ہیں اور اگر کسی کے ذمہ ہمارا کچھ باقی ہو تو ہم اس کو معاف کردیتے ہیں۔

میدان عرفات میں جبل رحمت کے دامن میں نہر زبیدہ کے ٹوٹے پھوٹے نشانات اب بھی واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بقایا ہے۔ ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

رضوان کا سالانہ چندہ مبلغ -/300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

مولانا شہاب الدین ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ایک ادیب باکمال ومربی بے مثال

(اسلام کی روشن تاریخ ایسی نابغہ روزگار شخصیات، عظیم المرتبت مفکرین و مصلحین، باکمال اُدباء واہل قلم اور وقت کے فتنوں سے ٹکر لینے والے مردانِ جفاکش سے بھری پڑی ہے۔ جنھوں نے توفیق الٰہی سے ایسے تجدیدی کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ استاذ محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی علیہ الرحمہ اسی سنہرے سلسلہ کی ایک کڑی اور اسی مبارک جماعت کے ایک فردِ فرید تھے جنھوں نے اپنے فکر وقلم سے اسلامی دعوت کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا اور بیسویں صدی میں مغرب کی طرف سے اٹھنے والے اسلام مخالف طوفانوں کا پورے عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اوران کا اطمینان بخش جواب دیا)۔

یہ دنیا مردِ مومن کے لئے ایک عارضی سرائے ہے۔ یہاں جو آیا اسے جانا ضرور ہے، عالم ہو یا جاہل، پرہیزگار ہو یا بدکردار، موت سے کسی کو مفر نہیں۔ کل نفس ذائقۃ الموت" فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بندہ مومن اس کا استقبال کرتا ہے، شوق کے پروں سے اڑتا ہوا اسے گلے لگاتا ہے اور ایمان وطاعت سے محروم شخص اس کا نام سنکر کانپتا اور لرزتا ہے۔ بھاگتا اور بچتا ہے۔

استاذ محترم، عالی مرتبت مولانا واضح رشید حسنی ندوی کا ہمارے درمیان سے اچانک اس طرح چلا جانا جہاں ایک طرف ہمارے دلوں کو فگار اور آنکھوں کو اشکبار کردینے والا ہے۔ وہیں دوسری طرف "هو يقبض العلم بقبض العلماء" کی کھلی ہوئی نشانی بھی ہے۔ مولانا کی رحلت بلاشبہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ ایسا جانکسل حادثہ اور ایسا عظیم سانحہ ہے جس سے پوری ملت اسلامیہ بالخصوص ہند و بیرون ہند کا طبقہ علماء وادباء غموں سے نڈھال ہے کہ ہمارا ایک مضبوط ترین ستون گرگیا، علم وادب کا ایک دُرِ شاہوار جاتا رہا، فکر اسلامی کا ایک عظیم نقیب وترجمان ہمارے درمیان سے اٹھ گیا۔ ہماری بزم، علم وادب، فکر وعمل اور دین ودعوت کی ایک عظیم شخصیت سے یک لخت سونی ہوگئی۔ پورا طبقہ علماء ومفکرین اور ارباب دین ودعوت بالخصوص تمام اہل ندوہ بیحد مغموم اور قابلِ تعزیت ہیں۔ خدا ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کے ساتھ اپنی شانِ کریمی و شانِ رحیمی کے مطابق الطاف وعنایات کا معاملہ فرمائے اور ان کی بے لوث اور گرانقدر خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

مولانا واضح رشید حسنی ندوی خانوادۂ حسنی کے ایک مایہ ناز چشم و چراغ تھے۔ 1933ء میں آپ نے اس عالم رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی نشوونما کے لئے آپ کو ایک مثالی علمی ودینی گھرانہ ملا، مشہور علمی و دینی شخصیات کی بافیض سرپرستی حاصل ہوئی۔ آپ کی اٹھان ہی ایک ایسے ماحول میں ہوئی جس میں بڑے بڑے علماء، اُدباء، اہل فکر واہل قلم اور اصحاب دعوت و عزیمت موجود تھے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی طبیعت ومزاج میں روزِ اول سے ہی علم ودین کی آمیزش اور دعوت وعزیمت اور جہاد کی روح جلوہ گر رہی۔ ابتدائی تعلیم گھر اور گاؤں کے مدرسہ پر مکمل کرکے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور وہاں سے علوم اسلامیہ اور زبان و ادب میں خوب خوب کسب فیض کیا، مہارت اور کمال پیدا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشہور عصری درسگاہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے آپ نے

انگلش لٹریچر میں گریجویشن کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس طرح عربی و انگلش دونوں زبانوں میں بڑی مہارت پیدا کی۔ دونوں ماحول اور دونوں ثقافتوں کو قریب سے دیکھا اور پرکھا جس کے نتیجہ میں آپ کی ذات قدیم صالح اور جدید نافع کی حسین و جامع پیکر بن گئی اور آپ کو عربی زبان وادب میں استاذانہ مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی لکھنے اور پڑھنے کی اعلیٰ صلاحیت حاصل ہوگئی۔

مولانا واضح رشید حسنیؒ کی ذات گرامی مجموعۂ خوبی و کمالات تھی۔ روشن کارناموں اور وقیع تصنیفات کا ایک سنہرا سلسلہ ہے جو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جو آپ کے شاگردوں اور آنے والی نسلوں کے لئے مینارۂ نور ہے۔ آپ کی تابندہ صفات کو ان چند صفحات میں سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ خوش خلقی، نرم گفتاری، تواضع و انکساری، اور ہمدردی و خیرخواہی جیسی صفات آپ کی شخصیت سازی کے بنیادی عناصر تھے۔ کم سخن و کم آمیزی آپ کی ہشت پہل شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ شہرت و ناموری سے دوری اور تعریف وستائش سے کنارہ کشی آپ کی عظمت و بلندی کا اہم ترین سبب تھا۔ خاندانی شرافت، اخلاقی بلندی اور علمی عظمت کے ساتھ ساتھ خدائے کریم نے آپ کو امت کے غم میں کڑھنے والا دل اور بے چین ہوجانے والی طبیعت عطا فرمائی تھی، عالم اسلام کے حالات پر ہمہ وقت گہری نگاہ رکھتے تھے، بڑی دیدہ وری سے اس کے تغیرات کو دیکھتے اور پڑھتے تھے اور گہری بصیرت رکھنے والے مردِ دوراندیش کی طرح اس کا صحیح تجزیہ کرتے، عالمِ اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل کے حقیقی اسباب اور ان کا صحیح حل پیش کرتے، استاذِ محترم کو خدا کی طرف سے اگر ایک طرف عالمِ اسلام اور مغربی دنیا کے حالات پر گہری نظر اور دور بیں نگاہ عطا فرمائی گئی تھی تو اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو رواں و بیباک قلم اور فکر ارجمند سے بھی نوازا گیا تھا۔ جن کے ذریعہ آپ نے اسلامی دعوت اور اسلامی فکر کی ترویج و اشاعت اور مغرب کی فکری یلغار کے دفاع میں روشن کارنامے انجام دیئے جس پر آپ کی قلمی کاوشیں اور فکری مقالات شاہد عدل ہیں۔

استاذ محترم یقیناً کم سخن اور کم آمیز تھے مگر بیحد جری و بیباک تھے، نام و نمود سے بہت دور تھے مگر اسلام کے لئے انتہائی غیور اور دفاع اسلام کے لئے ان کا قلم شمشیر براں تھا۔ وہ اپنوں کے لئے بہت نرم تھے مگر دشمنانِ اسلام کے لئے شیرِ ببر سے کم نہیں تھے۔ دوران گفتگو اور دورانِ درس جب مغرب کی عیاریوں، ریشہ دوانیوں اور اس کی اسلام دشمنی کا ذکر کرتے تو ان کا لب و لہجہ یک لخت بدل جاتا۔ ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی، آواز میں گرج اور سختی پیدا ہوجاتی۔ بلاشبہ وہ اسلام کے سچے داعی اور دین کے مخلص سپاہی تھے۔ انہوں نے دشمنوں کے حملوں اور فکری یلغار کا منہ توڑ جواب دیا اور دفاع اسلام کا اہم فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آخر میں یہ ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ استاذ محترم صرف ایک ممتاز عالمِ دین، ماہر و باکمال انشاء پرواز، بالغ نظر مفکر اور دوراندیش صحافی ہی نہیں تھے بلکہ ایک ایسے ماہر مربی تھے کہ سیکڑوں کو آپ نے قلم پکڑنا سکھادیا اور ان کی فکر کو صحیح سمت عطا فرمائی۔ اور آپ نے اپنے اچھوتے اندازِ تربیت سے سیکڑوں ادیب و انشاء پرواز، صاحب قلم و صاحب فکر افراد تیار کر کے دفاع اسلام کے انتہائی حساس محاذ پر کھڑے کردیئے۔ غرضیکہ آپ صرف ایک ادیب نہیں بلکہ ادیب گر اور مفکر نہیں بلکہ مفکر ساز تھے۔ خدا آپ کو اعلیٰ علیین میں مقام نصیب فرمائے۔ آمین

استاذ محترم کی ایک گرانقدر نصیحت پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ "دیکھو! کبھی قلم مت رکھنا۔ ورنہ فکر کے سوتے خشک ہوجائیں گے، مضامین کی آمد بند ہوجائے گی۔ پھر کچھ لکھنا چاہو گے تو قلم ساتھ نہیں دے گا۔"

خدا ہمیں مولانا کی ذات وصفات اور ان کی رہنمائیوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے اور ان کی گرانقدر خدمات کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قرآن مجید سے دوری کے اسباب

نور بنت مصطفیٰ

قرآن مجید انسان کی ہدایت کے لئے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے انسان کے ازلی دشمن نے اس کے لئے بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں اور اس کے لئے بہت خوبصورت اور خوشنما دلائل بھی مہیا کر رکھے ہیں۔ قرآن مجید سے دوری کے اسباب کی نشاندہی کا مقصد یہی ہے کہ اگر کوئی شخص غیر محسوس طریقے سے یا لاشعوری طور سے ان امراض میں مبتلا ہے یا ان میں سے کسی ایک میں تو وہ اپنے مرض کے لاعلاج ہونے سے پہلے اس پر توجہ دے سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری برکتیں اور بھلائیاں سمیٹ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں ہماری جھولی میں ڈال دی ہیں۔ قرآن مجید اپنے پڑھنے والوں کے لیے باعث سکینت، رحمت، ہدایت، اور شفا ہے۔ انسانی زندگی کی کون سی حاجت اور مشکل ایسی ہے جس کا حل قرآن مجید نے پیش نہ کیا ہو، اس دنیا کے بعد عالم برزخ میں بھی قرآن مجید اہل ایمان کے لئے باعث شفاعت، رحمت اور نجات ہوگا۔ انسان اپنی آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے پہلے قدم قدم پر جتنا قرآن مجید کا محتاج ہے اتنا کسی دوسری چیز کا نہیں۔

لیکن افسوس! مسلمانوں کی کم و بیش نوے فیصد اکثریت قرآن مجید کے فضائل سے نا آشنا ہے۔ قرآن مجید کا تصور بس اس حد تک ہے کہ یہ ہماری مقدس کتاب ہے جسے چھونے سے قبل وضو کرنا واجب ہے، جب اسے پکڑیں تو چومنا اور آنکھوں سے لگانا ضروری ہے۔

ریشم کا غلاف چڑھانا، شادی پہ بیٹیوں کو ہدیہ دینا اور جب کوئی وفات پا جائے تو ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا ہی اصل مقصد ہے۔ قرآن مجید سے ہماری غفلت اور لاپرواہی کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم اس کی تلاوت، تحفیظ، تعلیم اور تدریس کے فوائد اور فضائل سے آگاہ نہیں۔ کاش ہم جان سکیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید عطا فرما کر ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور کاش ہم یہ جان سکیں قرآن سے مستفید نہ ہونا ہماری جانوں پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ قرآن سے غفلت برتنے میں ایک کردار والدین کا بھی ہے۔ پیدائش کے وقت بچے کا ذہن ایک سفید کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔ والدین جو سکھائیں گے اس کا اثر تاحیات موجود رہے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہر بچہ فطرت (یعنی اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی بنائیں یا مجوسی (بخاری) افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ بیشتر والدین اپنے بچوں کی تعلیم کا آغاز دنیاوی تعلیم سے کرتے ہیں معیاری سے معیاری اسکول تلاش کرتے ہیں، ہر سہولت دینا فرض سمجھتے اور ناز نخرے اٹھاتے ہیں۔ خود ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ اتنی بہت ساری کوششوں کا مقصد صرف اور صرف دنیا میں اونچے اور اعلیٰ منصب پر فائز ہونا اور آرام وسکون کی زندگی بسر کرنا ہے۔

لیکن قرآن کی تعلیم کی سرے سے فکر ہی نہیں، بچے کی دنیاوی تعلیم کی مصروفیات اس قدر ہیں کہ دین کے لئے وقت ہی نہیں۔ ایک قابل غور بات قرآنی تعلیم سے محروم اولاد اپنے والدین کی خدمت گزار

اور وفادار ثابت نہیں ہوتی اور بسااوقات والدین کی ذلت اور رسوائی کا باعث بنتی ہے، والدین کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن سے دور رکھ کر کس قدر خسارہ مول لے رہے ہیں۔ پہلے مسلمان گھرانوں کا دستور تھا فجر کی نماز کے لئے اٹھے، ساتھ میں بچوں کو بھی اٹھایا خود بھی قرآن کی تلاوت کرنے بیٹھے اور بچوں کو بھی قرآن پڑھنے مسجد بھیجا جاتا، فرصت میں بچوں کو صحابہ کرام کی سیرت یا کوئی بھی کتاب سنائی جاتی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور دعائیں یاد کروائی جاتیں، اب عالم یہ ہے کہ میٹرک تک بچے ناظرہ مکمل نہیں کرتے۔ دن کا آغاز ٹی وی سے ہوتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ بچوں کے اسکول جانے تک ان کی ایک نظر ٹی وی پر ہوتی ہے اور بچوں کے درمیان ہونے والے تبصرے ایکٹروں، کھلاڑیوں، ڈراموں سے شروع ہوتے اور انہی پر ختم ہوتے ہیں اور رات گئے تک بچوں اور بڑوں میں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ کتاب بہت مشکل ہے اسے پڑھنا اور سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہ تصور ان لوگوں کا تو ہوسکتا ہے جنہوں نے کبھی قرآن کو سمجھنے سیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے قرآن سے بڑھ کر کوئی آسان کتاب نہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے آسان بنایا ہے پھر ہے کوئی جو اس پر غور کرے۔ (القمر)

ایک اور بڑی وجہ جو قرآن سے دوری کی نظر آتی ہے وہ یہ کہ بچپن میں قرآن پاک کی تعلیم حاصل نہ کرسکنا اور پھر جب اس کوتاہی کا احساس ہوتا ہے تو محض بڑی عمر کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے میں جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اللہ عمر کے جس حصے میں ہدایت عطا کرے اس کو بچپن ہی سمجھنا چاہئے۔

یہاں ایک بڑی پیاری حدیث بیان کرنا چاہوں گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے قرآن مجید کی تلاوت میں مہارت رکھنے والا انسان (قیامت کے روز) لکھنے والے نیک معزز فرشتوں کے ساتھ ہے اور جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ (مسلم) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دوہرے اجر کی نوید سنا کر اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ علم سیکھنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف عمروں میں ایمان لاتے رہے اور جس عمر میں بھی ایمان لاتے فوراً قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے لگ جاتے۔ بڑھاپے کی عمر میں خلوص دل سے قرآن مجید کی ابتدا کرنے سے اگر گزشتہ زندگی کے سارے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں تو کون سا برا سودا ہے؟

ہر انسان خواہش کرتا ہے کم وقت اور کم محنت میں زیادہ سے زیادہ فوائد سمیٹ لے اور یہ خواہش ہمارے ہاں چھپنے والے پنج سوروں اور وظائف پر مشتمل کتب نے پوری کردی ہے۔ لوگوں نے ان کتب کا مطالعہ روزانہ کی بنیاد پر ضروری سمجھ لیا ہوا ہے جیسے کہ ان کو پڑھنا قرآن کو پڑھنا ہے۔ ان کتب میں صحیح احادیث سے ثابت شدہ فضائل والی سورتیں، آیات اور دیگر وظائف دیئے ہوئے ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ضعیف یا موضوع احادیث سے ثابت شدہ وظائف والی سورتیں بھی درج ہوتی ہیں ان وظائف کو معمول بنانا کار لاحاصل ہے۔ بلاشبہ قرآن مجید کی سورتوں کی تلاوت کا اجر اپنی جگہ لیکن جن فوائد یا فضائل کو ذہن میں رکھ کر ان کو پڑھا جاتا ہے، ان فضائل سے پڑھنے والا محروم ہی رہے گا۔ ایسی کتب کو روزانہ باقاعدگی سے پڑھنے والے حضرات قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، یہ نقصان پہلے نقصان سے بڑا ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اسے شروع سے لے کر آخری تک پڑھا جائے اور بلاناغہ پڑھا جائے۔ کوئی دوسرا عمل اس کا متبادل نہیں ہوسکتا۔

○○○

مولانا مزمل حسین کاپڑیا

مردہ بھائی کا گوشت

شریعت مطہرہ کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا پاک و صاف اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے جس میں ہر مسلمان کی عزت و آبرو محفوظ رہے اور کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچائے۔ ان کے باہمی تعلقات خوش گوار ہوں اور دوسرے کے لئے دلی ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات ہوں۔ چنانچہ اس وجہ سے وہ بداخلاقیاں اور ایذا رسانیاں جن سے کسی مسلمان کی عزت و آبرو کا تحفظ قائم نہ رہ سکے اور ان کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو تو شریعت میں ایسی بداخلاقیوں سے ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً خیانت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی، چوری، ڈکیتی، حسد، چغل خوری، غداری، بہتان تراشی، طعنہ بازی، فحش گوئی اور غیبت وغیرہ۔ قرآن کریم اور احادیث میں ان کی ممانعت جابجا ملتی ہے۔ قرآن کریم کے چھبیسویں پارہ سورۂ حجرات میں چند بداخلاقیوں کی خاص طور پر ممانعت کی گئی ہے اور وہ ہیں تمسخر، طعنہ، برے القاب سے پکارنا، بدگمانی کرنا اور غیبت کرنا۔ لیکن جو طرز بیان اور اسلوب تمثیل غیبت کی مذمت میں اختیار کیا گیا ہے وہ نہایت انوکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے، جس کا مفہوم ہے: ''تم ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو۔'' اس آیت میں غیبت کو اپنے مردہ مسلمان بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

غیبت ہمارے معاشرہ کی ایک ایسی دیمک ہے جس نے انسانی معاشرہ کے باہمی تعلقات کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج کل جو گناہ ہمارے معاشرہ میں سب سے زیادہ مروج ہے وہ یہی غیبت ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ اور ہمارے افراد کا کوئی طبقہ شاید ہی اس گناہ سے خالی ہو۔ زیر نظر مضمون میں احادیث کے حوالے سے غیبت کے مختلف پہلوؤں پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس امید پر کہ شاید یہ ہماری زندگیوں کے لئے اہم موڑ بن جائے۔

شریعت میں غیبت اس کو کہتے ہیں کہ: ''کسی شخص کی عدم موجودگی میں بہ نیت تذلیل اس کے وہ عیوب بیان کرنا جن کا ذکر اس کو ناپسند ہو۔ خواہ اس عیب کو صراحۃً زبان سے بیان کیا جائے یا تحریر سے۔ اشارۃً ہو یا کنایۃً، اعضاء کے ذریعہ سے ہو یا کسی اور طریقہ سے۔'' احادیث میں غیبت کی اس تعریف کے بعض پہلوؤں کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی اور اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذکرك اخاك بما یکرہ" اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا کہ اگر وہ سن لے تو ناپسند کرے۔ تو صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے سوال کیا: ''اگر میں اپنے بھائی کی وہ برائی بیان کروں جو اس میں ہے تو اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو برائی اس میں ہے اس کو تم بیان کرو۔ یہی تو غیبت ہے۔''

ورنہ اگر تم نے اس کی طرف ایسی برائی منسوب کردی جو اس میں نہیں تو یہ بہتان ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی کے لفظ سے اس طرح اشارہ فرمادیا کہ جس شخص کی تم غیبت کر رہے ہو اس سے اگرچہ تمہاری رشتہ داری نہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ تمہارا بھائی ہے۔ اس لئے کہ جس انسان کی غیبت کی جارہی ہے اگر وہ کافر بھی ہے تو اس کے جد اعلیٰ بھی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اگر وہ مسلمان ہے تو پھر انسانی اخوت کے علاوہ اسلامی اور دینی

اخوت بھی پائی جارہی ہے اور اسلامی اخوت مسلمانوں کو جسم واحد کی طرح بنادیتی ہے۔ جس طرح جسم واحد کا کوئی عضو دوسرے عضو کو نقصان نہیں پہنچاتا اور اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کرتا اس طرح ایک مسلمان کو بھی دوسرے مسلمان کی ایذا رسانی اور اس کے عیوب کی تشہیر کا سبب نہیں بننا چاہئے۔

آج کل ہم جس طرح سے غیبت کے مرض میں مبتلا ہیں اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ صرف یہ بلکہ عموماً غیبت کرنے کے بعد ہمیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم نے غیبت کی ہے اور اگر کسی کے احساس دلانے پر احساس ہو بھی جائے تو نفس یہ دھوکہ دیتا ہے کہ تم نے غیبت کب کی ہے۔ غیبت اس کو نہیں کہتے۔ غیبت کا تو مفہوم ہی اور ہے۔ چنانچہ عموماً غیبت کے مفہوم کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی ایسی برائی بیان کرنا جو کہ اس میں نہ ہو یہ غیبت ہے اور اگر ایسی برائیاں کی جائیں جو اس شخص میں واقعتاً موجود ہیں تو یہ غیبت میں شامل نہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی نشاندہی واضح الفاظ میں فرمادی کہ ایسی برائیاں بیان کی جائیں جو اس میں ہوں تب تو غیبت ہے اور اگر کوئی ایسی برائی اس کی طرف منسوب کردی جو اس میں نہ ہو۔ تب یہ غیبت نہیں، بلکہ بہتان اور الزام تراشی ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کو غیبت کے مفہوم کے بارے میں یہ غلط فہمی ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس کے سامنے کہنے کی ہمت نہ ہو غیبت ہے اور اگر اس کے سامنے کہنے کی ہمت ہو تو غیبت نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی غیبت کرنے والے سے کہا جائے کہ تم نے غیبت کی ہے تو جواب دیتے ہیں: ”ارے! یہ بات تو ہم اس کے منھ پر بھی کہہ سکتے ہیں۔“ حالانکہ غیبت کے مفہوم کے بارے میں جو حدیث اوپر گزری اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ وہ بات اس کے سامنے کہی جاسکتی ہو یا نہیں۔ بلکہ صرف اتنا مذکورہ ہے کہ وہ بات اس کو بری محسوس ہو تو یہ غیبت میں شامل ہے۔ بعض لوگوں کو ایک شبہ غیبت کے مفہوم کے بارے میں یہ ہے کہ اگر کسی عدم موجودگی میں اس کی وہ برائیاں بیان کی جائیں جو لوگوں میں مشہور نہیں ہیں تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ برائیاں لوگوں میں مشہور ہیں تو ان کا ذکر کرنا غیبت نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کی ایسی برائی بیان کی جائے جو لوگوں کو معلوم نہیں تو اس میں دو گناہ ہیں۔ ایک غیبت کرنے کا اور دوسرا کسی کے پوشیدہ عیب کو مشہور کرنے کا اور اگر ایسا عیب ہے جو لوگوں میں مشہور ہے تو پھر فقط غیبت کا گناہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اندھا ہے اور بہت سے لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ اندھا ہے۔ اب اگر کوئی اس اندھے کے اس عیب کو اس کی عدم موجودگی میں حقارت آمیز انداز میں یا محض لوگوں کو ہنسانے کے لیے بیان کرے تو یہ غیبت ہے۔ باوجود یہ کہ اس کا اندھاپن لوگوں میں مشہور ہے۔ غیبت کو مختلف اعتبار سے تین قسموں پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم

ان افراد کے اعتبار سے ہے کہ جن کی غیبت کی جارہی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے تحت جس طرح ایک زندہ مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ایک مردہ مسلمان کی غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ بلکہ مردہ مسلمان کی غیبت کرنے میں حرمت ایک گونہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ زندہ شخص تو پھر بھی جواب دے سکتا ہے اور اپنی صفائی بیان کرسکتا ہے۔ لیکن ایک مردہ شخص تو کچھ بول ہی نہیں سکتا۔ حدیث میں مردوں کے عیوب بیان کرنے کی ممانعت آئی ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے مردوں کے اچھے اوصاف بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان روکو۔“

اور پھر زندہ اشخاص میں جس طرح ایک مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے اس طرح اس کافر کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جو اسلامی مملکت کی حفاظت میں اسلامی مملکت کا تابع بن کر رہتا ہے۔ جسے اسلام میں ”ذمی“ کہتے ہیں۔ ذمی کی غیبت کرنا، اس وجہ سے حرام ہے کہ جب وہ اسلامی مملکت کی حفاظت میں اس کے تابع بن کر رہتا ہے تو اس کو وہی حقوق ملنے چاہئیں جو کہ ایک مسلمان کو ملے ہوئے ہوں۔ جس طرح اسلامی معاشرہ ایک مسلمان کی عزت وآبرو کی حفاظت کا ضامن ہے، اس طرح وہ ایک ذمی کی عزت وآبرو کی حفاظت کا بھی ضامن ہے اور جہاں تک ایک ایسے کافر کی غیبت کا تعلق ہے جو ذمی نہیں ہے، جسے

اسلامی اصطلاح میں "کافر حربی" کہا جاتا ہے تو اس کی غیبت اگر چہ اس طرح سے حرام نہیں جس طرح ایک مسلمان یا ذمی کی غیبت کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر دینی یا دنیوی مصلحت نہ ہو تو بلا وجہ اس کی غیبت کرنا بھی مکروہ ہے۔

دوسری قسم

ان عیوب کے اعتبار سے ہے جن کی وجہ سے کسی کی غیبت کی جارہی ہو۔ مثلاً کسی شخص کے بدن میں، اس کے اعضائے جسمانی میں کوئی عیب ہے یا کسی شخص کے لباس میں عیب ہے یا اس کی عادتوں میں کوئی بری عادت ہے۔ اس قسم کی تفصیلات سے قبل یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں ان میں صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی کوئی ضمانت یا ثبوت ہمارے پاس موجود ہو۔ ہر اچھے سے اچھے انسان میں کوئی عیب ضرور ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کا کوئی عیب بیان کرے تو یہ سوچ لے کر میں کب تمام عیوب سے مبرا ہوں اور پھر عیوب انسانی بدن کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مختلف چیزوں میں مختلف عیب ہوسکتے ہیں۔ جس طرح کسی شخص کے اعضائے جسمانی میں کوئی عیب نکالنا مثلاً کسی شخص کو ذلیل کرنے کی نیت سے یا دوسرے کے سامنے اس کی تضحیک کے لئے موٹا کہہ دینا یا لنگڑا کہہ دینا یا کوئی اور عیب نکالنا، مثلاً کسی کی تحقیر کی نیت سے کہنا فلاں شخص کا لباس چھوٹا ہے یا لمبا ہے یا اس کا لباس غریبانہ ہے یہ بھی غیبت میں شامل ہے۔ اسی طرح کسی شخص کی بری عادتوں میں سے کسی بری عادت کا ذکر کرنا بھی غیبت میں شامل ہے۔ مثلاً کسی شخص کو تحقیر و تذلیل کی نیت سے کہنا کہ فلاں شخص بڑا پیٹو ہے۔ اسی طرح کسی کے نسب میں اور اس کی نسل میں عیب نکالنا بھی غیبت میں شامل ہے۔ اس طرح کسی شخص کی تذلیل کرنے کی نیت سے اس کی عبادت میں کوئی عیب نکالنا مثلاً یہ کہ فلاں شخص نفل نہیں پڑھتا یا فلاں شخص تہجد نہیں پڑھتا۔ یہ بھی غیبت میں شامل ہے۔ اس طرح کسی شخص کے گناہوں کا تذکرہ کرنا یعنی اس کو ذلیل کرنے کی نیت سے دوسروں کے سامنے اس کے گناہوں کی تشہیر کرنا، یہ بھی غیبت میں شامل ہے۔

تیسری قسم

غیبت کی تیسری قسم ان ذرائع کے اعتبار سے ہے۔ جن کو کسی شخص کی غیبت کرنے کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً زبان، قلم وغیرہ سے کسی کی غیبت کرنا، اس قسم کے تحت جس طرح زبان سے کسی کی غیبت کرنا منع ہے۔ اسی طرح تحریری طور پر کسی کی غیبت کرنا بھی ہے۔ مثلاً کسی کو ذلیل کرنے کی نیت سے کسی دوسرے شخص کو اس کے عیوب سے خط کے ذریعے مطلع کرنا یا کسی شخص کے عیوب کو اخبار میں چھاپنا اور جس طرح کسی شخص کا نام صراحتاً بول کر یا لکھ کر غیبت کرنا منع ہے۔ اسی طرح حکایتاً یعنی نقل اتار کر کسی کے عیب سے لوگوں کو مطلع کرنا بھی غیبت میں شامل ہے۔ مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کی طرح کی چال چلنا یا کوئی شخص بولنے میں ہکلاتا ہے تو اس طرح سے ہکلا کر بولنا یہ سب غیبت میں شامل ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقل کروں، چاہے مجھے بہت کچھ مل جائے۔"

اشارۃً کسی کے عیب سے لوگوں کو مطلع کرنا بھی غیبت میں شامل ہے۔ یعنی ظاہر میں تو کسی شخص کا نام لے کر اس کی غیبت نہیں کی۔ لیکن چند ایسے قرائن اور اشارے بیان کردیے جس سے لوگ سمجھ جائیں کہ فلاں شخص کا عیب بیان کیا جارہا ہے۔ مثلاً کسی کے پاس کوئی کالا شخص آئے، اس کے جانے کے بعد وہ شخص حاضرین سے بہ نیت تحقیر و تذلیل یہ کہے کہ بعض لوگ ایسے کالے ہوتے ہیں، جیسے کوئلہ، اس اشارہ سے حاضرین مجلس سمجھ جائیں گے کہ یہ اس شخص کا عیب بیان کیا جارہا ہے جو ابھی آیا تھا۔

جس طرح کسی کی غیبت کرنا منع ہے اسی طرح کسی کی غیبت سننا بھی منع ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور سننے دونوں سے منع فرمایا ہے۔ اگر کسی کی غیبت بیان کی جارہی ہے اور کوئی شخص اس غیبت کو سن رہا ہے اور اس کو اس غیبت سے منع کرنے پر قادر ہے۔ لیکن وہ منع نہیں کرتا اور دل میں بھی اس کو برا محسوس نہیں کرتا تو گویا کہ وہ اس غیبت پر راضی ہے اور یہ رضامندی بھی غیبت کرنے کے حکم میں ہے اور اگر منع کرنے پر بھی قادر نہیں تو دل سے اس غیبت کو برا سمجھے اور جس شخص کے عیوب

بیان کئے جا رہے ہیں اس کے عیوب سن کر اس شخص کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ کرے اور اس کے متعلق کوئی غلط خیال قائم نہ کرے۔ بلکہ اگر ہوسکے تو جس شخص کی برائیاں بیان کی جارہی ہیں تو غیبت سننے والا اس شخص کی اچھائیاں بیان کرنا شروع کردے۔ ایسے موقع پر جب کہ کسی شخص کی برائیاں کی جارہی ہوں تو اس شخص کی طرف سے دفاع کرنا بڑی ہمت کی بات ہے اور حدیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت بیان کی گئی اور اس نے اس کی مدد نہیں کی۔ حالانکہ وہ اس کی مدد کرنے پر قادر تھا تو اس کو بھی دنیا و آخرت میں اس غیبت کا گناہ ملے گا اور جس نے مدد کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے۔

مسند احمد میں حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کرے گا تو گویا اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرمادیں۔"

انسان کی زندگی "دارالعمل" ہے اور موت کے بعد یعنی قبر اور آخرت والی زندگی "دارالجزاء" ہے۔ یعنی انسان اپنی زندگی میں جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے اس کا ثواب اور عذاب اس کی جزا اور سزا موت کے بعد ملتی ہے۔ سوائے اس کے کہ انسان توبہ کرلے یا خداوند پاک اپنے فضل سے معاف فرمادیں۔ لیکن بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی جزا اور سزا موت کے بعد تو ملتی ہی ہے۔ لیکن کبھی زندگی میں اس کا بدلہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں غیبت کرنے والوں کے لیے دونوں قسم کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ آخرت کی سزا سے متعلق سنن ابی داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا۔ جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بولے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔"

اعمال اور اعمال کی جزا و سزا میں گہری مناسبت اور مشابہت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ یعنی غیبت کرتے تھے۔ اس لئے ان کی سزا بھی آخرت میں یہی مقرر کی گئی کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گوشت کو نوچیں گے۔

غیبت ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی نیکیوں کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے روز بہت سے لوگ محض غیبت کرنے کی وجہ سے اپنی نیکیوں سے محروم ہوجائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز بندہ کا نامۂ اعمال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ (جب وہ اپنا نامہ اعمال دیکھے گا......) تو کہے گا اے میرے رب! میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں۔ لیکن میرے نامۂ اعمال میں وہ نہیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیری وہ نیکیاں لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے ماری گئیں۔" (الترغیب والترہیب)

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہو اور نہ ہی کچھ سامان ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نمازیں، روزے اور زکوٰۃ جیسے اعمال کے ساتھ آئے گا۔ لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا مال ناحق کھایا ہے کسی کا خون بہایا ہے اور کسی کو ناحق مارا ہے۔ چنانچہ اس کی نیکیاں دوسرے شخص کو دے دی جائیں گی اور جب ان کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی لیکن زیادتیاں ابھی باقی ہوں گی تو پھر دوسرے کے گناہ اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس شخص کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ تو آخرت کی سزا تھی اور دنیا کی سزا کے متعلق سنن ابی داؤد میں حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہیں، لیکن ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوا۔ یاد رکھو! نہ مسلمانوں

کی غیبت کرو اور نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہو۔ کیونکہ جو شخص ان کے عیوب کی تلاش میں رہے گا تو خدا تعالیٰ بھی اس کے عیب کو تلاش کریں گے اور خدا جس کے عیب تلاش کریں گے تو خود اس کے گھر ہی میں اس کو رسوا کردیں گے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں غیبت جیسے ہول ناک جرم کی ہلاکت خیزی کو سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی عدم موجودگی میں ان کے بارے میں اچھے خیالات کے اظہار کی توفیق عطاء فرمائے۔

بعض مرتبہ شرعی ضرورت کی بنا پر غیبت کرنا گناہ نہیں، بلکہ واجب ہوجاتا ہے۔ احادیث میں متعدد واقعات آتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شرعی ضرورت کی بنا پر اپنے مسلمان بھائی کا عیب بیان کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ چنانچہ بعض مفسرین نے سورۂ حجر کی آیت غیبت کی تفسیر کی ذیل میں اور بعض فقہاء نے اپنی تصنیفات میں غیبت کی چند جائز اور درست صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "غیبت کیا ہے؟" میں یہ صورتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- اگر مظلوم ظالم کے ظلم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرے جو اس ظالم کو ظلم سے روک سکتا ہے تو یہ غیبت جائز ہوگی۔ مثلاً قاضی نے کسی شخص پر ظلم کیا، اب وہ حاکم بالا کے پاس جا کر قاضی کے ظلم کی شکایت کرے تو یہ غیبت درست ہے۔

۲- اگر کوئی شخص کسی عیب یا گناہ میں مبتلا ہے، اس کی خبر ایسے شخص کے پاس پہنچانا کہ وہ اس عیب سے اس کو روکے گا۔ اور اس کو نصیحت کرے گا تو یہ غیبت درست ہے۔ مثلاً کسی شخص میں کچھ عیب ہے تو اس کے والدین کو اس سے مطلع کردینا، تاکہ اس کو اس فعل سے منع کرے یا کوئی سرکاری افسر رشوت لیتا ہے تو اس کی خبر حکومت کو دی جائے، تاکہ وہ اس افسر کو اس سے منع کرے۔

۳- کسی عالم یا مفتی کے پاس مسئلہ پوچھنے کے واسطے اور مسئلہ کی صورت بتانے کے لئے کسی شخص معین کا عیب بیان کیا تو درست ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ بلا ضرورت کسی شخص کو معین نہ کرے۔ بلکہ فرضی نام سے سوال کیا جائے۔

۴- وہ شخص جو علی الاعلان گناہوں میں مبتلا رہتا ہو اور لوگوں کے سامنے گناہ کرنے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہ کرتا ہو تو اس کی غیبت درست ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تین شخصوں کی غیبت درست ہے۔ ایک ظالم حکمراں، دوسرا وہ شخص جو علی الاعلان گناہوں میں مبتلا رہتا ہو اور تیسرا وہ شخص جو بدعت میں مبتلا ہو اور لوگوں کو بدعت سکھاتا ہو۔"

OO

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के क़िस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफ़ान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ़–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुज़ूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	**1000.00**

Ph.: 0522-2741539, A/c : **10863759700**, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : **SBIN0000125**

قدسیہ صباحت

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں جن اہل ایمان کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ محض زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والے نہیں تھے۔ یہ تو وہ اہل ایمان ہیں جنہوں نے مانند آفتاب اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کی۔ توحید، رسالت وآخرت کے عقائد پر دل سے ایمان لائے۔ اپنی زندگی کا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کیا، اللہ کی محبت میں جان ومال کی قربانیاں پیش کیں، اپنوں کے لئے نرم دلی اور کفار پر سختی کے حکم پر عمل پیرا رہے، یہی وہ اہل ایمان ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (سورہ انفال:۲)

"ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو قوی تر کردیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔"

اسی طرح سورہ حجرات: ۱۵ میں فرمایا گیا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔ (حجرات:۱۵)

"دراصل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی شک میں مبتلا نہ ہوئے۔"

سورہ مومنون کی ابتدائی آیات بھی اہل ایمان کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی ہیں جن میں نہ صرف مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے بلکہ ان کے اوصاف بھی اچھی طرح بیان کردیئے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خطاب کے بیٹے جاؤ، لوگوں میں یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے۔ (مسلم)

آخر، وہ اہل ایمان کون ہیں؟ جنہیں فلاح و کامرانی کی خوشخبری سنائی جارہی ہے، جنہیں جنت کا اصل حقدار کہا گیا ہے، رحمتیں اور نعمتیں جن پر نچھاور کی جارہی ہیں۔ حقیقت میں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم اچھی طرح جان لیا تھا کہ "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھئے تو سب سے پہلے پچھلی امتوں کے ان مومنوں پر نظر پڑے گی، جن کو ایک اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا تھا، وہ انبیاء کرام بھی دکھائی دیں گے جو ناحق اپنی قوم کی جانب سے قتل کئے گئے تھے، وہ آگ بھی دکھائی دے گی جو ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی تھی، دربار فرعون میں جادوگروں کا ایمان واستقامت، آرام وآسائش کو ٹھوکر مار کر جنت میں اپنے لئے مکان کی طلب کرنے والی بی بی آسیہ، اپنے ایمان کی حفاظت کرتے اصحاب کہف اور وہ اصحاب الاخدود جو محض ایمان لانے

پر آگ میں ڈال دیئے گئے تھے، غرض کہ اہل ایمان کی طرف نظر کرتے کرتے آنکھیں تھک جائیں گی لیکن تاریخ کے اوراق کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

ایمان انسان کے اندر اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے، جس انسان کے دل میں اللہ کا خوف اور اس پر یقین موجود ہوتا ہے وہ پوری دنیا سے بے خوف ہوجاتا ہے۔ مکی زندگی میں بھی اہل ایمان کو کتنی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کن ابتلاؤں سے نہیں گزرے لیکن ایمان کی طاقت نے ان کی استقامت میں تزلزل نہ آنے دیا۔

مکہ سے بے سروساماں ہوکر آئے مسلمانوں کو جب مدینے میں انصار کا ساتھ ملا تو دونوں نے مل کر اسلام کی سربلندی کا عزم کیا، پھر تاریخ بھی دیکھتی رہ گئی کہ کس طرح اللہ کے یہ مومن بندے فتح پر فتح پاتے گئے، صرف تلواروں کے زور پر نہیں بلکہ اپنے اخلاق و کردار و ایثار و قربانی، صبر و تحمل، عفو و درگزر اور اعلیٰ گفتار و اطوار کے ذریعہ انہوں نے لوگوں کے دل بھی جیت لئے۔

دنیا کی ساری طاقتیں بھی ان کے مقابلے کے لئے جمع ہوتیں۔ تو ان کے لبوں پر ''حسبنا اللہ'' کا ہی ورد جاری رہتا، اپنے رفقاء کی شہادت پر افسوس کرنے کے بجائے اسے ان کے لئے انعام تصور کرتے، کبھی حالات کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکتے بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے، دشمنوں کے ہاتھوں ایمان کے سودے نہیں کرتے بلکہ ان ہاتھوں میں بھی ایمان کی شمعیں تھمادیتے، ہر حال میں اپنے رب کی طرف ہی رجوع کرتے، نہ ان پر فتح کا غرور غالب آتا نہ ہی وقتی شکست انہیں پست ہمت بناتی۔ یہ وہ مومن بندے تھے جو جہاں میں خورشید کی مانند جیتے تھے۔

بعد کے ادوار میں بھی دیکھتے جایئے، تاتاریوں نے جب عالم اسلام میں تباہی و بربادی کی ایک سنگین تاریخ رقم کی تو خود ان ہی میں سے چنگیز خاں کا پوتا ایمان کی آغوش میں چلا آیا اور اسلام کے دشمن اسلام کے محافظ بن گئے۔

بوسنیا، چیچنیا، عراق و افغانستان، فلسطین و شام کے مسلمانوں کو دیکھئے کہ کس طرح انسانیت سوز مظالم سہنے کے باوجود ایمان کو اپنے سینوں سے لگائے رکھتے ہیں اور قدم قدم پر اللہ رب العزت انہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کررہا ہے۔ تاریخ کے یہ تمام اوراق اس بات کا ثبوت ہیں کہ اہل ایمان کا یہ قافلہ کبھی رکنے والا نہیں ہے بلکہ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود قافلے کا یہ سفر تا قیامت جاری رہے گا۔ (انشاء اللہ)

سفر جو اپنا قدم قدم پر صعوبتوں سے بھرا ہوا ہے
مگر مبارک ہو سرفروشوں، یہی تو جنت کا راستہ ہے

عزیز قارئین! بتایئے کیا اہل ایمان کے اس قافلے میں آج ہم بھی شریک ہیں؟ کیا ہم بھی وہ خورشید ہیں جو ڈوب کر پھر اُبھر سکتے ہیں؟ کیا ہمارا ایمان اس حد تک پختہ ہے کہ ہم اپنے ہر معاملے میں اللہ کی مرضی کو شامل کرنا ضروری سمجھتے ہیں؟ یا صرف زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں ہمارا شمار ہے؟ کیا ہمارے اندر وہ جذبہ استقامت موجود ہے کہ اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر ہم اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے؟ سوچئے اور غور کیجئے! کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم محض ''ایمان لائے'' کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور ہمیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم تو آزمائشوں میں صبر بھی نہیں کرتے، ہمارا ایمان دشمنوں کے سامنے کمزور ہوجاتا ہے، اپنی عزت و شہرت کی خاطر ہم اپنے ایمان کو بھی داؤ پر لگادیتے ہیں۔ مومنانہ صفات سے ہمارے دل خالی ہوچکے ہیں۔

ان تمام تر کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کے لئے آیئے، اپنے اندر ایمان کی مضبوطی قائم کریں، دنیا والوں سے خوفزدہ ہوکر گھروں میں بند ہوجانے کے بجائے ان سے مقابلہ کی ہمت پیدا کریں اور ایک حقیقی مومن بن کر اسلام کی سربلندی کا فریضہ انجام دیں کیونکہ ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ''تم ہی سربلند رہوگے اگر تم مومن ہو۔''

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

○○○

ابوعبدالقدوس محمد یحییٰ

کیا ہم اسوہ حسنہ پر عمل کررہے ہیں؟

ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہم بہت دھوم دھام اور شایان شان طریقے سے اپنے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا جشن ولادت مناتے ہیں۔ اس دن ہم مختلف انداز اور طریقوں سے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن کیا یہ اظہار صرف ظاہری مقال اور اس ایک دن تک محدود کرکے ہم اپنے فرض کی مکمل ادائیگی کررہے ہیں، جس طرح مغربی اقوام پورے سال میں ایک دن مخصوص کرکے فادرڈے، مدرڈے اور دیگر مختلف ایام (Days) مناتی ہیں، یا اس محبت کا ہمہ جہت اثر ہماری زندگی کے ہر شعبے میں بھی نظر آنا چاہیے؟

یوں تو کوئی بھی مسلمان ایک لحظہ بھی آپ کی یاد کو دل سے نکال نہیں سکتا ہے اور نہ ہی اس بات کا تصور کرسکتا ہے، اور اگر نکالتا ہے تو یہ اس کی انتہائی بدبختی اور بدقسمتی ہوگی۔ لیکن مقام تاسف ہے کہ تمام تر اظہار عشق و محبت کے دعوؤں کے باوجود ہمیں اپنی زندگیوں میں اس محبت کا اثر نظر نہیں آرہا۔

اگر ہم اپنے معاشرے اور اردگرد پر غور کریں تو آج ہمارے نوجوان طبقہ کے لئے بالخصوص اور پورے معاشرے کے لئے بالعموم ہیروز اور آئیڈیل کھلاڑی، اداکار، فنکار، گلوکار، اور دوسرے شعبدہ باز ہیں۔ جن کے متعلق وہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کے روز و شب کیسے گزرتے ہیں۔ ان کی عادات و اطوار، پسندیدہ لباس، رنگ، طعام، مشروبات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ الغرض ان کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے اور ان کی نقالی میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ انہیں یہی جستجو، انہماک، وقت اور توجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کیلئے صرف کرنا چاہئے کیونکہ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ (Excellent Pattern) کو ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب) ''بے شک تمہاری راہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

قرآن زندہ اور برحق کتاب ہے۔ اب یہ کتاب جو ہمیں حکم دے رہی ہے، ہماری بقا، ترقی اور کامیابی کا راز اس کی کامل اتباع و اطاعت میں ہے۔ جب ہم صورتاً سیرتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ (Excellent Pattern) کی پیروی کریں گے۔ اپنے کردار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں گے۔ جن باتوں پر آپ نے عمل کیا اور جو احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو دیئے، ان احکامات کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کی سعی کریں گے۔ تو ہماری دنیا بھی بقعہ نور بن جائے گی جب کہ آخرت تو ہوگی ہی نورانی، جہاں بلا کسی غم و پریشانی، ملے گی حیات جاودانی، ابدی جوانی اور نعمتوں کی فراوانی۔ (انشاء اللہ العزیز)

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لحاظ سے کامل و اکمل نمونہ پیش فرمایا، لیکن ہم نے بدقسمتی سے دین اسلام کو چند مخصوص عبادتوں تک محدود کرلیا ہے۔ یہ عبادات بلاشک وشبہ دین کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ ہیں، تعمیر سیرت کا ایک انتہائی مؤثر ذریعہ ہیں، لیکن دین صرف انہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام معاشرت، تمدن، سیاست اور ثقافت کا ڈھانچہ اس دین سے قائم ہے، اگر وہ ڈھانچہ قائم نہ ہو تو یہ عبادات محض رسمی کارروائی (Formality) کہلائیں گے۔ مثلاً نماز

بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اب انسان اگر ایک طرف نماز بھی پابندی سے ادا کرتا ہے اور دوسری طرف بے حیائی اور برے کاموں سے باز نہیں آرہا تو یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اسی بات کو اگر یوں کہا جائے کہ ”رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی“ تو بے جا نہ ہوگا۔ ہماری زندگی لازماً مکمل طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے تابع ہو کیونکہ ایک مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ ہر رشتے اور تعلق سے بڑھ کر آپ سے محبت نہ کرے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

"فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔" قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا ہے جب تک میں اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تر نہ ہوجاؤں۔“

جب حدیث مبارکہ سے یہ بات تحقیق ہوگئی کہ ایک مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ تمام موجودات (افراد واشیاء) سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرے تو اس امر یعنی محبت کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہی ہے کہ ہم ہر ہر شے میں اپنی پسند کو نبی کی پسند کے تابع کردیں۔

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ناپسند، محبوب و مذموم، مرغوب و مکروہ ہمیں کس طرح معلوم ہوگا؟ اس کے لئے حیات طیبہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اس مطالعہ سے جو ہمیں علم حاصل ہوگا وہ موجب خیر و برکت اور اس پر عمل کرنا دنیا میں ذریعہ ترقی اور آخرت میں باعث نجات اور اس کا پھیلانا کار ثواب، الغرض یہ علم و عمل نہ صرف یہ کہ آج اس جہاں میں بلکہ کل بروز قیامت بھی کام آئے گا۔

سیرت طیبہ واحادیث مبارکہ کی اہمیت کے حوالے سے تفسیر قرطبی میں سورہ حشر کی اس آیت: وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر:۷) ”پس جو چیز تمہیں پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔“ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے تھے، مجھ سے جو سوال کرو میں اس کا قرآن مجید سے جواب دوں گا، پھر سوال پوچھے جانے پر آپ اس آیت کی تلاوت فرما کر مسئلہ کا حل حدیث مبارکہ سے پیش کردیتے۔

جب ہم آپ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں رعایا سے حکمران تک، گدا سے بادشاہ تک، سپاہی سے کمانڈر انچیف تک، غریب سے امیر تک، عورت سے مرد تک، بچے سے بوڑھے تک، غلام سے آقا تک، عربی سے عجمی تک، دیہاتی سے شہری تک، چھوٹے سے بڑے تک سب ہی کے لئے آپ کی حیات طیبہ مکمل نمونہ نظر آتی ہے۔ گویا کہ ہر شخص اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کا پیمانہ میرے لئے ہی تراشا گیا ہے۔ آپ کی حیات طیبہ سب کی ضرورتوں کو کفایت کرتی ہے، سب کے لئے سازگار ہے اور اپنا رہنما بنانے پر سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ بحیثیت قانون ساز، جج (منصف)، کمانڈر انچیف، معلم، مصلح معاشرہ غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کمال کی انتہائی بلندیوں پر ہے۔ اور اس میں ایسی لچک (Flexibility)، وسعت (Scope)، جامعیت (Comprehensiveness)، عملیت (Practicality) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسان کے لئے ترقی کا دامن کھلا رکھیں گے۔

آج بھی چودہ سو برس سے زائد گزر جانے کے باوجود زمانے کے ہزاروں نشیب وفراز، تغیر وتبدل، دلوں کے مزاج، خطوں کی آب و ہوا، تہذیبوں اور ثقافتوں کے تنوع اور اختلاف، زبانوں کی تفریق، اہلیتوں و صلاحیتوں میں انفرادیت کے باوجود بھی کوئی تعلیم یافتہ فرد خواہ اس کا تعلق سائنس وفلسفہ، تعلیم ونفسیات، فلکیات وجغرافیہ، طب وعلم تشریح الابدان، الغرض کسی بھی شعبہ کا انتہائی ماہر اور قابل ترین فرد جب تعصب اور مفادات کے دائرے سے باہر آکر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی طرف دیکھے گا تو وہ ضرور پکار اٹھے گا۔ بقول جرمن شاعر اور پروفیسر جیمس ہوگ (James Hogg)

"ہر زمانے میں اصلاح معاشرہ کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو رائج کیا جائے۔" یا جیسا کہ برنارڈ شا (Bernard Shaw) اپنی کتاب (Genuine Islam) میں لکھتا ہے:

Muhammad was a saviour of Hummanity the Mercy for all men and an exemplar in every age

محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے نجات دہندہ، تمام لوگوں کے لئے باعث رحمت و برکت اور تمام زمانوں کے لئے مثالی شخصیت ہیں۔"

ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خود آپ سربراہ مملکت ہونے کے باوجود آپ کا کردار اور اخلاق ایسا کہ نہ صرف یہ کہ روزمرہ زندگی کے تمام امور اپنے ہاتھوں سے خود انجام دیتے بلکہ دوسروں کے کام بھی کردیتے، مالک ایسے کہ دونوں جہانوں کے خزانے آپ کے پاس لیکن اس کے باوجود مہینوں آپ کے گھر چولہا نہ جلتا، جرنیل ایسے کہ معمولی سی غیر مسلح فوج کے ساتھ ہزاروں کے کفار کے لشکر کو شکست دے دی اور صلح پسند ایسے کہ سیکڑوں جاں نثار پروانوں کی موجودگی میں کفار کی شرائط پر صلح کرلی، عادل ایسے کہ فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی اس کی جگہ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا، بہادر ایسے کہ تنہا ہزاروں کے مقابلے میں اور ثابت قدم ایسے تمام مشرکین مکہ کی دشمنی وسخت ایذائیں آپ کو حق کی تبلیغ سے نہ روک سکیں، رحمدل ایسے کہ چڑیا کی بھی اپنے بچوں سے دوری کی تکلیف دیکھی نہ گئی، معاف کرنے والے ایسے کہ اپنے عزیز ترین چچا کا جگر چبانے والی ہندہ کو بھی معاف کردیا، خیرخواہ ایسے کہ اپنی ذات کے دشمنوں کو بھی جہنم سے آزادی دلانے میں اپنی جان مشقت میں ڈال دی۔

فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفاً

(الکہف:۶) فصیح اللسان اور بلیغ کلام ایسے کہ آپ کے ایک قول کی تشریح میں جلدوں کی جلدیں لکھ دی جائیں اور پھر بھی تشنگی باقی رہے اور بات کرنے کا انداز ایسا دلنشیں اور دھیما کہ الفاظ تک گنے جاسکتے ہوں اور لاکھوں کے مجمع میں ہر شخص یہ سمجھے گویا اسی سے مخاطب ہیں، معلم ایسے کہ جنہوں نے آپ سے کمزور حفظ کی شکایت کی وہی سب سے زیادہ روایتیں کرنے والے بن گئے۔

یہ شکستہ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اسوہ حسنہ کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت اور اس کے ثمرات کی معمولی جھلک ہے ورنہ درحقیقت آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے والا بھی لافانی اور لازوال ہوجاتا ہے، اور اس بات کا حقیقی وصحیح اندازہ تو آخرت میں ہوگا۔ جب انسان سے دنیا کی کثافتیں اور زنگ صاف ہوجائے گا اور اس کے حواس کئی گنا زیادہ قوی ہوجائیں گے۔

ooo

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرتعاون میں -/100 روپے کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرتعاون مبلغ -/300 روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

سالانہ زرتعاون -/300 روپے
فی شمارہ -/30 روپے

والسلام
منیجر رضوان

ایجنسی ہولڈر حضرات نئے شرح نوٹ فرمالیں۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، استاذ: جامعہ اسلامیہ کیرالا

حصول اقتدار اور خوشی کے بعد؟

زمانہ وحالات کے اعتبار سے لوگوں کا عرف ورواج بدلتا رہتا ہے اور لوگوں کا مزاج و مذاق میں تبدیلی آتی رہتی ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تہذیب وثقافت میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا ہے، رہن سہن میں یکسانیت نہیں رہتی ہے، ہر زمانہ کا فیشن اپنے اپنے حساب سے ہوتا ہے اور ہر دور کا فیشن دوسرے دور سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتا ہے، ویسے بھی انسان ہر نئی چیز کو پسند کرتا ہے اور ہر نئی چیز میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتا ہے اور ہر آن ایک نئی لذت کا خواہاں ہوتا ہے۔ خاص طور پر جس قوم کا کوئی مذہب نہ ہو وہ زمانہ کے رخ پر چلتی ہے اور اس کو اسی میں مزہ آتا ہے، عام طور پر مغربی اقوام ان کا اسوہ ماڈل ہوتے ہیں، یورپ اور امریکہ سے جو فیشن آجائے وہ ان کے لئے قابل تقلید ہے۔ یہ کوئی افسوس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی قابل تعجب، افسوس اس وقت ہوتا ہے جب کہ مسلمان بھائی بھی آنکھ بند کر کے غیروں کے شانہ بہ شانہ زمانہ کا پیروکار بن جاتے ہیں اور زمانہ کے رخ کو موڑنے کے بجائے خود اس کے ساتھ اپنا قبلہ کر لیتے ہیں، اور اسلام کی پیروی کو بے عزتی گردانتے ہیں اور اس میں اپنے لئے ذلت محسوس کرتے ہیں۔ دیکھئے! آج خوشی منانے کا طریقہ کیا ہے؟ شور شغف، ہنگامہ، جلوس اور فضول خرچی، خواہ شادی کا موقع ہو، یا کسی دکان وشوروم کا افتتاح، یا کوئی اور تقریب یا الیکشن میں جیت ہوئی ہو۔ جب کوئی امیدوار الیکشن میں کامیاب ہوتا ہے، یا کوئی پارٹی حکومت بناتی ہے، تو خوشی میں بڑے ہی دھوم دھام کے ساتھ زبردست جلوس نکالتی ہے، جس سے بعض دفعہ ناخوشگوار واقعات بھی رونما ہوجاتے ہیں۔ نیز دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جیتنے والی پارٹی جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالتی ہے تو بسا اوقات اقتدار کی نشہ میں کچھ اس طرح چور اور مگن ہوتی ہے کہ ان کے عوام سے کئے گئے سارے وعدے نظروں سے یکلخت اوجھل ہوجاتے ہیں اور اعلان کردہ ایجنڈے پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر سادہ اور جداگانہ ہے، اسلام خوشی ومسرت کے اظہار سے نہیں روکتا ہے، کیونکہ اسلام فطری مذہب ہے اور عین فطرت انسانی کے مطابق اور اس سے بالکل ہم آہنگ ہے، اور فرحت و سرور کار کا اظہار فطری تقاضا ہے، لیکن اسلام کا طریقۂ اظہار آج کل کے ماڈرن طرز سے مختلف ہے، سب سے پہلے فضول خرچ پر روک لگاتا ہے، چنانچہ اسراف کرنے والوں سے بیزاری اور نفرت کا اظہار یوں کرتا ہے:

ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین۔

(انعام:۱۴۱) ”اور اسراف مت کرو بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ ایک جگہ اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: آیت:۲۷)

”فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔“ دوسری طرف حدیث شریف میں فضول خرچی سے بچتے ہوئے کم خرچ والی شادی کو بابرکت شادی قرار دیا گیا ہے: ان اعظم النکاح برکة ایسره مؤنة۔ (مسند احمد: ۴۱/۷۵، حدیث: ۲۴۵۲۹، مسند ابی داؤد طیالسی: ۳/۴۶، حدیث: ۵۱۳۰، مسند اسحاق ابن راہویہ: ۲/۳۹۴، حدیث: ۹۴۶، شعب الایمان للبیہقی، باب الاقتصاد فی النفقة: ۸/۵۰۱، حدیث: ۶۱۴۶) یعنی جس نکاح میں جتنا کم خرچ ہو وہ اتنا ہی بابرکت ہے۔“ یہی پیسے بیواؤں کی مدد اور غریب لڑکیوں کی شادی میں خرچ کئے جائیں تو کتنی اچھی بات ہوگی اور وبال جان

ہونے کے بجائے باعث اجر وثواب ہوگا اور غریبوں کی دعائیں ملیں گی۔

دیکھئے! حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا ہوئی، اور وہ بھی ایسی حکومت جو نہ ان سے پہلے کسی کو عطا ہوئی اور نہ ان کے بعد، جن وانس، چرند وپرند، بلکہ کرۂ زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات پر ان کی حکومت قائم تھی، اور وہ ان کی زبانوں سے بھی واقف تھے، گویا پوری دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں پر آپ علیہ السلام کی حکومت تھی، لیکن اتنی بڑی سلطنت کے مالک وفرمانروا اور خلیفہ اور اس شان وشوکت کی حکومت ملنے کے باوجود اپنے کو بڑا نہیں سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو بڑا سمجھا اور اس کے شکر میں سرشار ہوکر اس کی حمد وثنا اور اس کی تعریف وتوصیف اور کبریائی میں یوں گویا ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن نے نقل کیا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ۔ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ لا قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ۔ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ۔ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔

(النمل:۱۵-۱۶)

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہمیں بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اور سلیمانؑ، داوٗد کے قائم مقام ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں، یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کی کھلی) ہوئی مہربانی ہے، اور سلیمان کے پاس جنات، انسان اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے، جن کے گروپ بنائے جاتے تھے یہاں تک کہ جب وہ چونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں تم کو پیس نہ ڈالے، چنانچہ سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور عرض کیا: اے میرے رب! مجھے توفیق دیجئے کہ جو نعمت آپ نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائی ہے، اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور ایسا نیک عمل کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجیے۔"

دراصل سلطنت وحکومت اور کسی جاہ ومنصب کا عطا ہونا سب سے بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا میرا بندہ چند روزہ بادشاہی میں ظلم وستم ڈھاتا ہے، یا وہ عدل وانصاف پر خود ثابت قدم رہتا ہے اور دوسروں کے درمیان بھی عدل وانصاف قائم کرتا ہے یا وہ کیا کرتا ہے؟ تاکہ دیر سویر اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا جاسکے، جیسا کہ دنیا کے اندر فرعون، قارون، شداد اور نمرود وغیرہ تھے، جنہوں نے دولت وثروت اور طاقت کے زعم میں جھوٹی خدائی کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہلاک وبرباد کردیا، آج ان کا نام ونشان تک نہیں ہے، اور آخرت میں جو عذاب ہونا ہوگا وہ تو ہوگا ہی، لیکن سلیمان علیہ السلام کو دیکھئے انہوں نے اتنی بڑی سلطنت ملنے کے بعد خدائی کا دعویٰ کرنے کے بجائے خدا کی ذات کی تعریف وتوصیف اور حمد وثناء سے رطب اللسان رہے، اور بارگاہ الٰہی میں سر تسلیم خم کیا اور سربسجود ہوئے تو خدائی دربار سے انعام واکرام کی بارش ہوئی اور خوب نوازے گئے اور اللہ تعالیٰ کی سنت اور حقیقت یہی ہے جیسا کہ قرآن نے بیان کیا:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ (ابراہیم:۷) "اور وہ وقت بھی یاد کرو: جب تمہارے پروردگار نے خبردار کردیا تھا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو تمہیں اور عطا کروں گا اور اگر ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔"

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا بلقیس کا تخت حاضر کرنے کا درباریوں سے خواہش ظاہر کی، تو ایک عالم کتاب نے پلک جھپکتے لاکر حاضر کردیا، حضرت سلیمان علیہ السلام بجائے مغرور ومتکبر ہونے کے فوراً پکار اٹھے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ جان لے کر میں اس کا ذکر گزار بندہ بن کر رہتا ہوں یا ناشکرا ونافرمان۔ قرآن کریم

کے معجزانہ اسلوب اور خوبصورت پیرہن الفاظ میں ملاحظہ ہو:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ۔ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ۔ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ۔ (النمل: ۳۸-۴۰)

"سلیمان علیہ السلام نے کہا: اے درباروالو! اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار بن کر میری خدمت میں حاضر ہو جائیں، تم میں سے کون میرے پاس ملکۂ سبا کا تخت لے کر آئے گا؟ ایک دیوہیکل جن نے جواب دیا: آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا (پھر) جس شخص کو کتاب کا علم تھا، اس نے کہا: میں اس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کرسکتا ہوں، چنانچہ جب سلیمان نے اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے، یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے، تاکہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں؟ اور جو شکر ادا کرے گا وہ اپنے ہی لئے شکر ادا کرے گا اور جو ناشکری کرے گا تو (وہ جان لے کہ) میرا پروردگار بہت بے نیاز اور بڑے کرم والا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ایک بڑی پراثر دل کو چھو لینے والی تقریر کی، جس کے ایک ایک لفظ سے بندگیت اور عبودیت ٹپکتی ہے اور عاجزی و انکساری کی بو آتی ہے، چنانچہ حمد و نعت کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستے پر لے آؤ، راستی و راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت ہے، تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوادوں، اور تم میں جو قوی ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک کہ میں اس سے حق نہ لے لوں، جب تک کہ میں اللہ ورسول کی طاعت کروں تم میری اطاعت کرو، جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم میرا ساتھ چھوڑ دو: کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔

(تاریخ اسلام از نجیب آبادی: ۱/۲۸۰)

اپنوں کو چھوڑ دیجئے غیروں کو بھی اعتراف کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا کہا ویسا کرکے بھی دکھایا، لیکن ذرا موجودہ حالات پر غور کریں تو راست گفتاری کے بجائے کذب بیانی اور حقیقت حال پر پردہ پوشی، نیز امانت کی جگہ خیانت عام ہے، ایفائے عہد کی جگہ عہد شکنی ذرائع وشائع ہے، معاشرہ میں جو طاقتور بنا ہوا ہے، عام طور پر حکومت اس کی ہمنوائی کرتی ہے، اور ظاہر میں کمزوروں کی بہی خواہی کا دم بھرتی ہے، اور رعایا کی پریشانی پر ارباب اقتدار تماشائی ہیں حالانکہ وہ ان کے نگہبان ہیں۔ دیکھئے ہندوستان ہی کا ایک سپوت جس کا نام شیر شاہ سوری ہے، ماضی کی تاریخوں میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے احسانات سے کبھی بھی ہندوستان دستکش نہیں ہوسکتا، انہوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، تو سب سے پہلے دہلی سے بدامنی کو دور کیا، سارے لٹیروں کا قلع قمع کرکے دم لیا، اور ملک میں امن و امان قائم کیا، ملک کا قانون مرتب کیا، تجارتی شاہراہوں کو ملایا اور ملک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہائی وے سڑکوں کو بنوایا، سڑکوں کے دونوں کنارے درختوں کو لگوایا اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسافروں کی سہولت کے لئے سرائے تعمیر کروائے۔ گو ان کی مدت حکومت پانچ سال رہی، لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو آزادی کے بعد سے اب تک کوئی سیکولر حکومت نہیں دے سکی، کھانا پکانا، اپنا کام اپنی پارٹی کا کام اپنے خویش و اقارب کا کام زیادہ ہوتا ہے، حصول اقتدار اور اپنی کرسی کو بچانے کی تدبیریں زیادہ ہوتی ہیں اور پبلک کا کام صفر ہوتا ہے......ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت کو عہدہ و اعزاز سمجھنے کے بجائے فریضہ و ذمہ داری تصور کیا جائے، اور اسی احساس کے ساتھ ملک و پبلک کی خدمت کی جائے۔ ○○

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: وضوء کرنے کے بعد کلمہ شہادت اور دعا پڑھنا کیا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اس دعا کو پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف نظر اٹھانا اور انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرنا کیسا ہے؟

ج: مسلم شریف اور ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو بھی وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے۔ پھر کہے: "**اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله**" اور دوسری روایت میں اس طرح ہے۔ "**اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله**" تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جس سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے، ترمذی میں اس دعا کا اضافہ بھی ہے۔ "**اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين**" (مشکوٰۃ-۱/۳۹) ابوداؤد کی روایت میں نگاہ آسمان کی طرف کرنے کا بھی ذکر ہے۔ "**ثم رفع نظره الى السماء**" (۱۷۰) آسمان کی طرف انگلی اٹھانے کا ذکر عام کتب حدیث میں نہیں ہے، لیکن بعض فقہاء نے اس کا ذکر کیا ہے، لہٰذا شہادتین اور دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔ نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا بھی ثابت ہے۔ انگلی اٹھانا جائز ہے مگر اسے عمل مسنون نہ سمجھنا چاہئے۔ (کتاب النوازل-۳/۱۰۴)

س: اگر قرآن مجید کی تلاوت کے دوران اذان شروع ہوجائے تو تلاوت جاری رکھے یا اذان کا جواب دے؟

ج: اگر مسجد کے اندر تلاوت کر رہا تھا اور اسی درمیان اذان شروع ہوگئی تو اگرچہ مستحب یہ ہے کہ تلاوت موقوف کرکے اذان کا جواب دے، لیکن اگر چاہے تو تلاوت جاری رکھ سکتا ہے، تلاوت موقوف کرنا اس پر ضروری نہیں ہے، اور اگر گھر میں تلاوت کر رہا تھا اور اذان کی آواز آنے لگی تو اگر اپنے محلہ کی مسجد کی اذان ہو تو تلاوت موقوف کرکے اذان کا جواب دینا چاہئے، اور اگر دوسرے محلہ کی مسجد کی اذان ہو تو تلاوت جاری رکھے۔ (شامی-۱/۲۹۳-۲۹۴)

س: وضوء کے دوران اذان شروع ہوجائے تو اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

ج: وضوء کرتے ہوئے اذان کا جواب دینا چاہئے۔ (محمودیہ-۹/۱۲۲)

س: کھانے کے دوران اذان کا جواب دینا کیسا ہے؟

ج: کھانے کے دوران اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے، لیکن اذان کا جواب دینا منع بھی نہیں ہے، اگر کوئی جواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (البحرالرائق-۱/۲۶۰، شامی-۱/۲۹۲)

س: آج کل عورتیں جو لباس پہنتی ہیں ان میں یا تو آستین بالکل نہیں ہوتی یا صرف آدھی ہوتی ہے، اس کپڑے میں عورت کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

ج: اس طرح کے لباس سے مسلم عورتوں کو احتراز کرنا چاہئے۔ انہیں مکمل آستین والا کپڑا پہننا چاہئے، جہاں تک اس کپڑے میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو عورت کے لئے نماز کے تمام ارکان میں چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر بقیہ جسم چھپانا ضروری ہے جس میں گھٹنوں تک دونوں ہاتھ بھی شامل ہیں اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ پوری آستین والا کپڑا پہن کر ہی نماز پڑھے۔ لیکن اگر آدھی آستین والے کپڑے میں نماز پڑھی اور کلائیوں کو دوپٹے میں اس طرح چھپائے رکھا کہ کسی بھی رکن میں وہ ظاہر نہیں ہوئیں تو نماز درست ہوگئی اور اگر کسی بھی رکن میں کلائیوں کا چوتھائی حصہ تین تسبیح کہنے کے بقدر کھلا رہ گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی-۱/۳۰۰، ۳۰۱)

س: اگر کوئی شخص ناپاک زمین پر کپڑے یا چٹائی وغیرہ بچھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

ج: اگر وہ کپڑا یا چٹائی اتنی موٹی ہے کہ نجاست کا اثر اوپر ظاہر نہ ہوسکے تو نماز ہوجائے گی خواہ نجاست گیلی ہی کیوں نہ ہو۔ (شامی-۱/۴۶۳)

○○○

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلام نے مجھے تحفظ کا احساس دلایا

دنیا کے تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے اور چند دہائیوں بعد یہ عیسائیت کو پیچھے چھوڑ دے گا۔ یہ بات ورلڈ اکنامک فورم نے پیو ریسرچ سینٹر کی ایک تحقیق کے حوالے سے بتائی۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ 2070 تک اسلام عیسائیت کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ تحقیق میں 2010 میں دنیا کے مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد دی گئی ہے اور 2050 تک اس میں اضافے کا تخمینہ بھی لگایا گیا۔ اسلام کا تیزی سے پھیلنا ہی اس کی حقانیت اور سچائی کی یہ دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں موجود اسلام کے دشمن جتنے ہی اس دین برحق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے اس آخری آسمانی مذہب کو جھٹلاتے ہیں، اتنا ہی ان کے حربے ناکام ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان ہی کے ملک کے تحقیقاتی ادارے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلام دنیا میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ اسلام کی سچائی اور اس کی حقانیت کو دیکھتے ہوئے نہ صرف عام غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا بلکہ کئی ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کہ اپنے فن کے عروج پر تھے۔ پھر ان پر اللہ کی رحمت ہوئی اور وہ اسلام کی جانب راغب ہوئے اور بالآخر مسلمان ہوئے۔ ان کی سابقہ زندگی کو دیکھتے ہوئے جہاں ان کے اس عمل پر حیرانی کا اظہار کیا گیا وہاں ان پر بے وجہ تنقید بھی کی گئی۔ کئی میڈیا کے اداروں نے جاننا چاہا کہ آخر ایسی کیا بات تھی جو انہیں قبول اسلام کی جانب لائی، اگرچہ اس جاننے کے پیچھے بھی تنقید اور تضحیک کا جذبہ کارفرما رہا مگر ان لوگوں نے ہمیشہ سوال کرنے والوں کو لاجواب کیا۔ اور اعتراف کیا کہ بے شک دین اسلام کی سچائی نے انہیں اس کی جانب راغب کیا۔ اس عمل کے پیچھے کوئی مطلب کوئی لالچ کارفرما نہیں تھی۔ ایسی ہی ایک لبنانی اداکارہ جس نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے جاننے والے ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ کیونکہ اس اداکارہ کا تعلق ایک فنکار گھرانے سے تھا تاہم اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔

لبنان سے تعلق رکھنے والی اداکارہ کوئینی پیڈیلا نے قبول اسلام کے بعد ایک بیان میں کہا کہ میں بہت بھٹکی ہوئی تھی، دنیا کی رنگینیوں میں کھوئی ہوئی تھی، رات اور دن انتہائی معروف تھے۔ میرے چاہنے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ میری ایک ایک ادا کو اہمیت دی جاتی تھی۔ میں کلبوں کی زینت ہوا کرتی تھی۔ پیسے کی ریل پیل تھی، نئی سے نئی گاڑی میرے پاس تھی۔ عمدہ اور مزین گھر تھا، لیکن ان سب آسائشوں کے باوجود میرا دل بے قرار تھا۔ میرے دل کو سکون و اطمینان نہیں تھا۔ میں ناخوش رہا کرتی تھی۔ مجھے دنیا میں زندگی گزارنا دشوار لگ رہا تھا۔ کسی چیز کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ میں اپنی زندگی میں تبدیلی لانا چاہتی تھی۔ ایسی تبدیلی جس میں سکون ہو، طمانیت ہو، ٹھہراؤ ہو۔ میرے دل کی آواز رنگ لائی اور میری کایا ہی پلٹ گئی۔

یہ تاثرات تھے کوئینی پیڈیلا کے جو کہ فلپائن کی معروف اداکارہ تھیں۔ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شہرت اور

شوبز لائف کو خیر باد کہہ دیا۔ فلپائنی اداکارہ روبن پیڈیلا کی بیٹی ہے، گویا اداکاری اسے وراثت میں ملی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ حج کے لئے چلی گئی۔ اپنے جسم کی نمائش کرنے والی نے اپنے جسم کو کالی چادر میں چھپالیا تھا۔ اللہ کے گھر کا نظارہ کرنے اور حج کی ادائیگی کے بعد ایک انگریزی چینل نے انٹرویو لیا تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی، روئے جارہی تھی اور کہتی ہے کہ مجھے لگ رہا تھا کہ میرا کوئی ہمدرد نہیں، میں ایک گنہگار شخصیت ہوں۔ پھر الحمدللہ! اللہ نے مجھ ناچیز کو اپنے گھر بلایا، میں اللہ کے گھر کو دیکھے جارہی تھی۔ آنسو آنکھوں سے لگاتار بہہ رہے تھے اور زبان پر شکر کے کلمات تھے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ یہ اسلام لانے کی خوشی کے آنسو تھے یا کہ بیکار زندگی گزارنے کے آنسو، میں نے اپنے کئی سال غیر حقیقی زندگی میں گزار دیئے اس کا بے حد افسوس ہے۔ لیکن الحمدللہ! اب میں اپنے آپ کو اللہ کے بے حد قریب پاتی ہوں۔ اسلام اپنانے سے مجھے تحفظ ملا ہے۔ اس نے اپنا نیا نام خدیجہ رکھ لیا ہے۔ مزید کہتی ہے کہ اسلام زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اب میں جانتی ہوں کہ میری زندگی کا حقیقی مقصد حاصل ہوگیا ہے۔ اسلام ایک امن والا مذہب ہے۔ اس میں ہر قسم کے لوگ داخل ہوجاتے ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں، اسلام مکمل طور پر انسان کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ میں ایک مسلمہ ہوں۔ اب میں اسلام کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش کروں گی۔

(کوئینی پیڈیلا) خدیجہ جن کا قبول اسلام سے پہلے کا نام کوئینی پیڈیلا تھا کا تعلق فلپائن سے ہے۔ فلپائن عیسائی ملک ہے، جہاں 90 فیصد عیسائی آباد ہیں۔ 80 فیصد رومن کیتھولک ہیں۔ کچھ لوگ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلمان تو کم تعداد میں ہیں۔ فلپائن میں اسلام کا یہ ایک نیا پودا نمو پذیر ہے۔

نامور اطالوی Italian اداکارہ مارشیلا جہاں فن کے ان ممتاز اسٹارز میں شامل ہیں، جنہوں نے آبائی مذہب چھوڑ کر دین حق اسلام کی گود عاطفت میں پناہ لی اور دنیوی کامیابیوں سے ہمکنار ہوگئی۔ متعدد فلموں کو اپنے جوہر فن سے آراستہ کرنے والی صف اول کی اداکارہ اپنے تجربے کو بیان کرتی ہیں: دوسری عالمی جنگ پر بننے والی فلم کی شوٹنگ کے لئے مجھے اپنی یونٹ کے ساتھ مصر کے ایک شہر مری مطروح جانا ہوا۔ وہ سفر میرے لئے روشنی کا سفر ثابت ہوا اور میری زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ اس شہر سے گزرتے ہوئے ہمیں ایک مقام پر تھوڑی دیر کے لئے رکنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں پر موجود ایک عمارت سے متصل حصے میں کچھ لوگ ہاتھ منہ دھونے کے بعد جوتے اتار کر ایک عمارت میں داخل ہورہے ہیں اور قطاروں میں کھڑے ہوکر اٹھنے بیٹھنے کا سائمل کررہے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر مجھے تجسس ہوا۔ جی چاہا اس قدر دیدہ زیب منظر کو قریب سے دیکھنا چاہئے۔ اپنی گاڑی سے اتری۔ اس عمارت کے قریب چلی گئی۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتی ہوں کہ اب وہ سب لوگ پرسکون انداز میں بیٹھے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس مشاہدے کے پرسکون لمحات مجھے اپنی پوری زندگی میں کبھی میسر نہیں آئے تھے۔

وہاں لوگوں سے پوچھنے پر انہیں پتہ چلا کہ یہ عمارت مسجد ہے۔ اندر موجود لوگ مسلمان ہیں اور عبادت کررہے ہیں۔ مارشیلا انجلا نے زندگی میں پہلی بار مسجد دیکھی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان نام کی جماعت ہی کو پہلی بار دیکھا تھا۔ پتہ نہیں کیوں دوسرے دن مارشیلا انجلا کبھی کبھی پھر مسجد کی طرف چلی گئی۔ وہ دوبارہ مسلمانوں کی اس جماعت کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھنے کی متمنی تھیں۔ انہیں منظم طور بر عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر مارشیلا انجلو کو قلبی سکون کا احساس ہوا تھا اور عبادت کے لئے ان لوگوں کی پاکبازی بالخصوص کامل مساوات پر رشک آیا۔ انتشار وافتراق کی اس دنیا میں چند بندگان خدا ایک صف میں کھڑے

بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ نماز کے اختتام پر جب نمازی مسجد سے باہر آئے تو مارشیلا انجلو نے بات کرتے ہوئے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ان سے بات کرنے کا موقع ملا تو وہ مارشیلا انجلو کو بہن اور بیٹی کہہ کر بات کر رہے تھے۔

مصر میں شوٹنگ ختم ہونے کے بعد فلمی یونٹ کے ساتھ مارشیلا انجلو اٹلی لوٹ آئی۔ اٹلی میں اس کا ایک دوست شوہر کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا۔ گھر واپس آنے کے بعد مارشیلا انجلو نے اس رشتے کی حرمت پر غور کیا۔ اس دوران محسوس کرنے لگی کہ یہ رشتہ خرابی پر مبنی ہے، مذکورہ مسجد میں لوگوں کی عبادت، مارشیلا کے سوال پر نیچی نظریں رکھے بات کرنا اور بیٹی، بہن کہہ کر مخاطب کرنا یہ سب باتیں یاد آئیں تو مارشیلا نے مسلمان کے متعلق بہت کچھ سوچنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ایک مرحلے پر مارشیلا انجلو کو اپنے منہ بولے شوہر کے رشتے سے گھن آنے لگی اور اس نے ''شوہر'' سے علاحدگی اختیار کر لی۔ وہ فلموں میں مزید معاہدوں پر دستخط کرنے سے گریز کرنے لگی۔ وہ اپنے گھر کے خاموش حصے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی عبادت کے متعلق گھنٹوں سوچتی رہتی۔ اس کے ذہن میں مصر کی وہ چھوٹی سی مسجد جہاں وہ مسلمانوں کا اخلاق، ان کی عبادت بھی بے پناہ سادہ نماز میں چھوٹے بڑے کی برابری، ان لوگوں کا نظریں زمین میں گاڑے رکھنا، یہ تمام باتیں اس کے قلب و ذہن میں کچھ اس طرح نقش ہوگئی تھیں کہ وہ تصور ہی تصور میں بار بار مصر کی مذکورہ مسجد میں پہنچ جاتی۔

ایک روز وہ ایک رستے سے گزر رہی تھی کہ اس کی نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا مسجد، وہ اس عمارت میں داخل ہوگئیں۔ وہاں موجود لوگ ان کے ساتھ بے حد شفقت سے پیش آئے۔ انہوں نے ان سے دین اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے کچھ کتابیں طلب کیں۔ نہایت ادب سے کتابیں فراہم کر دی گئیں۔

وہ ان کتابوں کا نہایت سنجیدگی کے ساتھ ساتھ دن میں کئی کئی گھنٹے تک مطالعہ کرتی رہیں۔ یہ مطالعہ ہر بار نور اور ہدایت کا ایک نیا باب روشن کرتا رہا۔ ایک شام وہ دوبارہ اسلامی مرکز پہنچیں اور انتظامیہ سے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام قبول کرنے کی کارروائی میں کچھ وقت لگے گا۔ مگر اسلامی مرکز والوں نے کہا کہ اسلام قبول کرنے میں کسی خاص کارروائی کی ضرورت نہیں۔ مارشیلا انجلو نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہوگئیں۔ کچھ دنوں کے بعد مارشیلا انجلو کے ''دوست'' نے بھی اسلام قبول کر لیا، جو ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ مرکز کے لوگوں نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ وہ مارشیلا انجلو کے ساتھ پابندی سے دینی تعلیم کے مرکز جانے لگے۔ مرکز ہی کے ایک بزرگ نے ان کا نکاح پڑھایا اور مارشیلا انجلو فاطمہ عبداللہ بن گئیں۔ دنیائے شوبز سے تعلق رکھنے والی غیر مسلم شخصیات کے اسلام قبول کرنے کی یہ دو مثالیں ہی نہیں ہیں ایسی بے شمار مثالیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔

لورین بوتھ برطانوی براڈ کاسٹر، صحافی اور انسانی حقوق کی کارکن ہیں۔ وہ سابق برطانوی وزیر اعظم کی اہلیہ شیری بلیئر کی سوتیلی بہن ہیں۔

انہوں نے سنہ 2010 میں ایک مسلمان سہیل احمد سے شادی کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اکتوبر 2010 میں وہ اسلام چینل کے عالمی امن اور اتحاد کی تقریب میں حجاب پہن کر آئی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ فلسطین میں بطور رپورٹر ان کے تجربات نے ان کے شعور کو جگایا۔

اے آر رحمان کا شمار انڈیا کے کامیاب ترین موسیقاروں میں ہوتا ہے، ان کا جنم ایک ہندو گھرانے میں ہوا تھا اور انہوں نے 20 کے پیٹے کے اوائل میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا نام اے ایس دلیپ کمار سے اللہ رکھا رحمان رکھ لیا تھا تاہم انہیں اے آر رحمان سے جانا جاتا ہے۔

جرمن ٹی وی میزبان کرسٹین بیکر کا شمار اسلام قبول کرنے والی معروف جرمن شخصیات میں ہوتا ہے۔ سنہ 1992 میں

ان کی ملاقات عمران خان سے ہوئی جنہوں نے انہیں اسلام سے متعارف کروایا۔اس دوران انہوں نے پاکستان کا بھی دورہ کیا اور تین سال غور وفکر اور مطالعے کے بعد سنہ 1995ء میں باقاعدہ اسلام قبول کیا۔ معروف برطانوی گلوکار کیٹ اسٹیونز نے دسمبر 1977 میں اسلام قبول کیا اور سنہ 1978 میں باضابطہ طور پر اپنا نام تبدیل کرتے ہوئے یوسف اسلام رکھ لیا تھا۔سنہ 1979 میں انہوں نے اپنے فلاحی کاموں کے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے اپنے تمام گٹار فروخت کردیئے اور موسیقی سے دور ہوگئے۔

تاہم سنہ 2006 میں ان کے پاپ موسیقی میں دوبارہ واپسی ہوئی اور 28 سال کے بعد ان کا پہلا البم این اور کپ ریلیز ہوا تھا۔ حال ہی میں ایک آئرش گلوکار شنیڈ او کونر نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔نوے کی دہائی میں اپنے گیت نتھنگ کمپیئرز ٹو یو سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچنے والی فنکارہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنا نام تبدیل کرکے شہدا رکھ لیا ہے۔

ٹوئیٹر پر اپنے ایک پیغام میں انہوں نے حوصلہ افزائی پر اپنے ساتھی مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا ہے اور اذان دیتے ہوئے اپنی ایک ویڈیو بھی جاری کی ہے۔

ooo

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 20511010005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

محاسبۂ نفس مومن کا ہتھیار

آج کے ماحول میں انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری یہ کہ ایمان کی مضبوطی کے ساتھ عمل صالح پر دھیان دے اور اپنے آپ کا، اپنے نفس کا اور اپنے اعمال و کردار کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنی زندگی کا جائزہ لیتا رہے۔ محاسبۂ نفس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے کئے ہوئے اعمال کا بھرپور اور سختی کے ساتھ حساب لے۔ اپنے اعمال و افعال کا جائزہ اور محاسبہ کرے۔ یہ محاسبہ اور جائزہ و حساب اعمال کی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے لینا ضروری ہے۔ کمیت کی معنی یہ ہیں کہ اس پر کتنے کاموں کی ذمہ داری تھی اور اس نے کتنے کام انجام دیئے اور کیفیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ان کاموں کو انجام دینا چاہیے تھا اسی طرح انجام دئے ہیں یا کوتاہیاں ہوئی ہیں یہ جائزہ اور محاسبہ ایمان والوں کو روزانہ کرنا چاہتے چاہیے قرآن مجید میں متعدد جگہ ایمان والوں کو اعمال کے جائزے اور محاسبۂ نفس کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک موقع پر اللہ تعالی نے فرمایا: "**یا ایھا اللذین آمنوا اتقوا اللہ و لتنظر نفس ما قدمت لغد و اتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون**" اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کل (قیامت) کے لئے کیا بھیجتا ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ دیکھنا اور اس پر غور کرنا کہ انسان نے کل قیامت کے لئے کیا بھیجا ہے اور کیا بھیج رہا ہے محاسبۂ نفس ہے، اس آیت کریمہ میں محاسبہ کے ساتھ شروع میں بھی تقوی کا حکم دیا گیا ہے اور آخر میں بھی تقوی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا اور یہ پتہ چلا کہ جب تک انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت نہ ہوگی وہ محاسبۂ نفس اور اپنے اعمال و افعال اور کردار و اوصاف کے جائزے کے لئے تیار اور آمادہ ہی نہیں ہوسکتا اور آیت کے اخیر میں دوبارہ تقوی اور طہارت نفس کا حکم دیکر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ محاسبہ اور اعمال کا جائزہ بھی انسان کو ڈرتے ڈرتے کرنا چاہیے ورنہ انسان کا نفس اتنا عیار اور مکار ہے کہ وہ سو بھیس بدلتا ہے اور طرح طرح کے بہانے اور عذر لنگ تراش کر انسان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بھی بے شمار جگہوں پر محاسبۂ نفس کا تذکرہ ملتا ہے۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت و العاجز من اتبع نفسه ھواھا و تمنی علی اللہ۔** (ترمذی/ ابن ماجہ) دانا اور عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور نادان وہ شخص ہے جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرے اور اللہ سے غلط آرزوئیں وابستہ رکھے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ حد درجہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی حق اور راستی کو چھوڑ کر پیروی تو باطل خواہشات کی کرے اور امید اس کی رکھے کہ خدا اسے آخرت میں درجۂ بلند اور رتبۂ عالی عطا فرمائے گا اور اسے طرح طرح کی نعمتوں اور اکرام و انعام سے نوازا جائے گا حالانکہ آخرت کی کامیابی و کامرانی اور سعادت انہی لوگوں کے لئے ہے جو ہر حالت میں اور ہر موقع پر اور زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں میں حق کے متبع ہوتے ہیں اور خواہشات نفس کے غلام نہیں ہوتے۔ ازالۃ الخفاء میں محاسبۂ نفس کے

بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اس سے پہلے کہ قیامت میں تمہارا حساب کیا جائے اپنے نفس سے محاسبہ کرو اور اس سے پہلے کے میزان حشر میں تمہارے اعمال تولے جائیں یہاں دنیا میں اپنے اعمال تولو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو، جب تم خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم بحوالہ ماہنامہ زندگی رام پور اکتوبر ۱۹۷۲ء) محاسبۂ نفس کا حاصل، لب لباب اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان جس طرح کاروبار اور تجارت و بزنس میں اپنے خادم یا شریک اور پاٹنر کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے تو اس کے لئے کچھ اصول وضوابط طے کرتا ہے، پھر ان کی پابندی کرتا ہے اور ہمیشہ اس پر نظر رکھتا ہے اور آخر میں حساب اور آڈیٹ کرتا ہے تاکہ معلوم ہو اور پتہ چلے کیا ابھی تک کیا کھویا اور کیا پایا کیا نفع ہوا اور کیا نقصان، ٹھیک اسی طرح انسان کو اپنے نفس کا حساب لینا چاہیے کہ آج دن میں کتنی نیکیاں اور خیر کے کام ہوئے اور کتنی برائیوں اور خلاف شریعت کاموں سے جن سے بچنا چاہئے تھا بچے اور اس سے اجتناب کیا۔ ہم میں سے ہر شخص کو روزانہ یہ جائزہ لے کر اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ہم یہ اوصاف وکمالات کما حقہ پاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی زندگی کا محاسبہ کرتے تھے اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ اس سلسلے کے سیکڑوں واقعات احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ صرف ایک دو واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک پرندہ اڑا اور باغ سے نکلنے کی جگہ تلاش کرنے لگا باغ اتنا گھنا تھا کہ اسے نکلنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ منظر بڑا اچھا لگا اور وہ تھوڑی دیر تک پرندے کو ادھر ادھر پرواز کرتے دیکھتے رہے۔ پھر جب اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ بھول گئے کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اب انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنے باغ کی وجہ سے ایک فتنہ میں مبتلا ہوگئے۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا اس کے بعد کہا یا رسول اللہ! وہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے آپ جہاں چاہیں اسے صرف (خرچ) فرمائیں۔ ایک بار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کی جماعت فوت ہوگئی اس کے کفارے میں انہوں نے اپنی ایک قیمتی زمین صدقہ کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب رات ہوتی تو اپنے قدم کو درے پر رکھتے اور اپنے نفس سے کہتے کہ آج تو نے کیا کیا ہے۔ اگر کبھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نماز عشاء کی جماعت چھوٹ جاتی تو وہ رات بھر عبادت کرتے۔ ایک بار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتنی دیر میں نماز مغرب ادا کرسکے کہ ستارے نکل آئے تھے اس کے کفارے میں انہوں نے دو غلام آزاد کئے۔ حضرت تمیم داری کے بارے میں آتا ہے کہ ایک بار ان کی تہجد کی نماز قضا ہوگئی تو وہ سال بھر تک زیادہ جاگ کر اس کی تلافی کرتے رہے۔ (مستفاد ماہنامہ زندگی رام پور اکتوبر ۱۹۷۲ء) اللہ تعالیٰ ہم سب کو محاسبۂ نفس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آج پوری دنیا میں جو فساد اور انارکی پھیلی ہوئی ہے اس کی ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں کوئی بھی اپنے دامن کو نہیں دیکھتا ایک لمحہ بھی اپنے گریبان میں جھانکنے کے لئے تیار نہیں ہم میں سے ہر شخص کی نظر دوسروں کی برائی اور خرابی پر رہتی ہے۔ جب کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنے آپ کی اصلاح کریں۔ آج اگر دنیا میں اس پر عمل ہوجائے تو دنیا میں امن وسکون کا ماحول نظر آنے لگے اور امیر وغریب چھوٹے اور بڑے طاقتور اور کمزور گورے اور کالے سب کے مسئلے حل ہوجائیں۔ بس شرط یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے اعمال کا حساب کرتا رہے اور خدا کے اصول وضوابط پر عمل کرنا شروع کردے۔ ○○